ماہنامہ
الفرقان
ربوہ

جولائی - اگست ۱۹۶۷ء

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃالمسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا سفر یورپ

ھمبرگ (جرمنی) میں ایک پریس کانفرس کے بعد حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث أیدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز ایک صحافی سے گفتگو فرما رہے ھیں - اللہ تعالی کے فضل سے اس سفر کے نتیجہ میں مغربی دنیا میں اسلام کے پیغام کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ھو رھی ہے -

مدیر مسئول
ابو العطاء جالندھری

سالانہ چندہ
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ
دیگر ممالک سے بذریعہ ھوائی ڈاک
۲۵ شلنگ

اعلائے کلمۂ اسلام اور اشاعت توحید کی خاطر

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا

عزم یورپ

۶ جولائی کو روانگی سے قبل ربوہ سٹیشن کے چند مناظر

→

حضور مقامی صحافیوں سے گفتگو فرما رہے ہیں

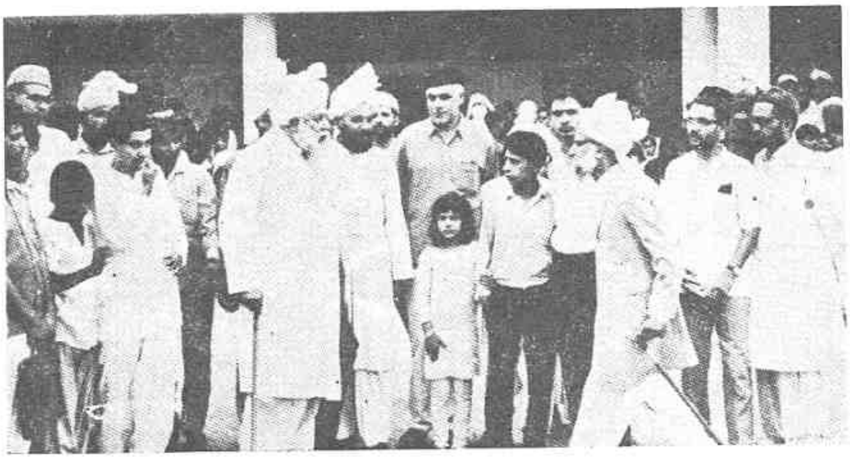

←

محترم مرزا عبدالحق صوبائی امیر
حضور کے یاد فرمانے پر
حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں

→

روانگی سے قبل حضور احباب
جماعت کے جلو میں
رونق افروز ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۷ شمارہ ۷، ۸	ماہنامہ **الفرقان** ربوہ جولائی، اگست ۱۹۶۷ء	ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ وفا، ظہور ۱۳۴۶ ہش

الفہرست

• یورپ کو سچے خدا کی دعوت (ابتدائیہ)	ایڈیٹر	۲
• یہود کے متعلق قرآنی پیشگوئیاں (اداریہ)	"	۳
• مقام المسیح فی القرآن والانجیل (پادریوں کی کتاب "مسیح کی شان ازروئے قرآن مجید" کا جواب)	"	۸
• علامہ اقبال کی زندگی کے دو دور (احمدیت کی حمایت میں اور احمدیت کی مخالفت میں)	"	۹
• عیسائیوں کے پادری عبدالحق صاحب اور ہم (مسیحی رسالہ ہما (جبلپور) کی "گزارشات" پر ایک نظر)	"	۲۳
• احمدیت خالص مذہبی تحریک ہے	"	۳۲
• حضرت مولانا شیخ عبدالقادر مرحوم مربی سلسلہ احمدیہ کے سوانح حیات	محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی لاہور	۳۳
• حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن سے ہجرت تک (تورات و قرآن کے بیانات کا موازنہ)	جناب شیخ عبدالقادر صاحب محقق عیسائیت - لاہور	۵۵
• ترانۂ مومن (نظم)	مکرم خواجہ عبدالمومن صاحب ربوہ	۶۲
• حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کی یاد میں (نظم)	جناب مولوی محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری	۶۳
• اساتذہ و طلبہ جامعہ احمدیہ کا تفریحی پہاڑی سفر	عطاء المجیب صاحب راشد - ربوہ	۶۴
• کاروانِ حیات (نظم)	محترم جناب نسیم سیفی صاحب	۶۵
• سامانِ عبرت	محترم چوہدری شبیر احمد صاحب	۶۶
• آسمانی اور زمینی عذابوں کا تسلسل	اقتباس از ہفت روزہ المنبر لائلپور	۶۸
• البیان (سورۂ نساء کے ساتویں رکوع کا ترجمہ اور تفسیر)	ایڈیٹر	۶۹
• قتلِ مرتد اور قرآن	جناب مولانا محمد علی جوہر کا ایک مقالہ	۷۳

ابتدائیہ

یورپ کو سچّے خدا کی دعوت

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ کا سفرِ یورپ

الٰہی نوشتوں کے مطابق وہ ساعت نزدیک تر آرہی ہے "جب توحید کی فتح ہوگی، غیرمعبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا" اس ساعتِ سعد کو قریب تر لانے کے لئے جماعت کے مرد اور عورتیں اپنی پوری سعی کر رہے ہیں۔ ملک بہ ملک خدا کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے۔

احمدی مستورات کے زیورات اور چندوں سے ڈنمارک میں عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی جو یورپین ممالک میں جماعت احمدیہ کی چھٹی مسجد ہے۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث حضرت میرزا ناصر احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے اس مسجد کے افتتاح کی درخواست کی گئی۔ مشرق اوسط میں المیۂ فلسطین کے باعث دنیا بھر کے حالات نہایت نازک تھے مگر ایسے ہی حالات میں خدا کے بندے اس کی توحید کا پیغام پہنچاتے ہیں تا بنی نوع انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچایا جاسکے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ ۶ر جولائی کو اس سفر میمون پر ربوہ سے روانہ ہوئے۔ ہر گام پر خدا کا ذکر، ہر منزل پر اسکی توحید کا بیان ہوا۔ ۲۱ر جولائی بروز جمعہ "مسجد نصرت جہاں" ڈنمارک کا افتتاح ہوا۔ اس موقع پر دنیا بھر میں اسلام کا پیغام نشر ہوا۔ اس سے پہلے بھی اور بعد میں بھی جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ اور انگلستان وغیرہ ممالک میں خدا کے خلیفہ نے نسلِ انسانی کو دعوت دی کہ زندہ خدا پر ایمان لاؤ، اسلام کے خدا پر ایمان لاؤ جو آج بھی اپنے پیاروں سے بولتا ہے۔ اس کی توحید کو قبول کرو تا تم نجات پاؤ اور سر پر منڈلانے والی ہلاکت سے بچ سکو۔ بنی نوع انسان کے محسن نے محبت بھرا انذار دنیا کے کانوں تک پہنچا دیا ہے۔ اب وہ گھڑی سر پر کھڑی ہے جب "سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا۔"

خداوند تعالیٰ سے ہماری دلی دعا ہے کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو کر اب جلد ہمارے امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہ کامیابی و کامرانی کے ساتھ اپنے مرکزِ احمدیت 'ربوہ' میں بخیریت تمام پہنچیں —— خدا کا سایہ ان کے سر پر ہو اور تائیدِ ایزدی ہر گھڑی انہیں حاصل ہو۔ آمین یا ربّ العالمین +

اداریہ

یہود کے متعلق قرآنی پیشگوئیاں

فلسطین کا افسوسناک المیہ

دردمند مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ!

(۱)

جون ۱۹۶۷ء میں سرزمینِ فلسطین میں جو دردناک حادثہ پیش آیا اس نے ساری اسلامی دنیا کو ہلا دیا ہے۔ اس المیہ پر مسلمانوں کا بچہ بچہ خون کے آنسو رو رہا ہے۔ وہ سرزمین جو عہدِ صحابہ میں اسلامی مملکت کا حصہ بنی تھی، جسے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید سے رومی سلطنت سے علیحدہ کیا تھا، آج چودہ سو سال کے بعد مسلمانوں سے چھن کر یہودی سلطنت کے قیام کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ اس قطعۂ زمین کے لئے مسیحیوں اور مسلمانوں میں سالہا سال تک طویل جنگیں ہوتی رہیں مگر مسلمانوں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا۔ مگر آہ! آج مسلمان سلطنتیں یہود سے ذلت آمیز شکست کھا گئی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور واقعہ یہ ہے کہ:-

"مئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کا اعلان ہونے پر مصر، اردن، عراق، لبنان اور شام نے اس کے خلاف جو جنگ برپا کی تھی وہ آٹھ مہینے تک چلتی رہی اور اس مدت میں یہودیوں نے عربوں سے لڑ کر فلسطین کا آٹھ ہزار مربع میل علاقہ فتح کیا۔ لیکن ۱۹ سال کے بعد ان ریاستوں کی متحدہ طاقت سے اس کی لڑائی صرف چار دن چلی اور اس میں ۴۲ ہزار مربع میل کا علاقہ عربوں کے ہاتھ سے نکل گیا جس کے اندر پورا جزیرہ نمائے سینا، غزہ اور باقی ماندہ فلسطین شامل ہے۔"

(چٹان ۱۹ جون ۱۹۶۷ء)

مراکش کے شاہ حسن نے اس سانحہ پر اظہارِ درد کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

"عربوں کی شکست کی سب سے
بڑی وجہ عرب ریاستوں کا عدم
اتحاد اور مسلمانوں کے بڑھتے
ہوئے گناہ ہیں۔ خدا نے ہمیں
ہمارے گناہوں کی سزا
دی ہے اور ہمیں متحد ہونے کی
ہدایت کی ہے ..... خدا نے
ہمیں ایک اور موقع دیا ہے
کہ ہم اس کے دیئے ہوئے احکامات
کی پابندی کریں اور اپنی زندگی
کو خدائی قانون کے مطابق ڈھالیں
خدا نے ہم سے اسلئے آنکھیں موڑ لیں
کہ ہم خود اس سے دور ہو گئے۔"
(روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ جون ۶۷ء)

مدیر ماہنامہ میثاق (لاہور) نے موجودہ صورت
حال کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے :-

(الف) "کم از کم مسلمانانِ عرب کے لئے
لئے تو ایک بار وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
کی وہی کیفیت پیدا ہو گئی ہے جس
میں کئی ہزار سال تک بنی اسرائیل
مبتلا رہے ہیں۔ اس صورتِ حال
کا جتنا ماتم کیا جائے تھوڑا ہے
اور دیدۂ خون نابہ بار اس پہ
جس قدر روئے کم ہے۔ لیکن
وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ
کے مصداق ماتم کا اصل مقام اور
رونے کی اصل جا یہ ہے کہ ذلت
اور مسکنت کی اس انتہا کو
پہنچ جانے کے بعد بھی رجوع الی اللہ
کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔"

(ب) "ہمارے نزدیک اس کا اصل
سبب صرف ایک ہے اور
وہ ہے دین سے بُعد۔ اور
علاج بھی صرف ایک ہے اور
وہ ہے تجدیدِ ایمان۔ اپنے
نام لیواؤں اور ایمان کے
مدعیوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا
معاملہ دوسروں سے قدرے
مختلف ہوتا ہے۔ ان سے جہاں
بھلائی اور دینی و اُخروی فوز و
فلاح کے عظیم وعدے ہیں وہاں
ان کی غلط روی پر پکڑ بھی سخت
ہوتی ہے ـــــ کئی ہزار سال
سے بنی اسرائیل اس قانونِ الٰہی
کی گرفت میں آئے ہوئے تھے
تو کونسے تعجب کی بات ہے
اگر آج امتِ مسلمہ اس کی
زد میں آ گئی۔"
(میثاق جولائی ۶۷ء ص۲)

(۲)

قرآن مجید اور تورات کا اس پر اتفاق ہے کہ یہودی قوم متمرد اور سرکش قوم ہے۔ ان کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا مقابلہ کرتی رہی اور انہوں نے احکامِ خداوندی کو پس پشت ڈالا (قرآن مجید نے ان کے اچھے لوگوں کا استثناء بھی فرمایا ہے)۔ یہود کی شرارتوں کے باعث ان کے لئے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل پیشگوئیاں مذکور ہیں :۔

اوّل۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(المائدہ : ۱۶۷)

ترجمہ۔ یاد کرو کہ تمہارے رب نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ یہود پر قیامت تک ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا جو انہیں سخت عذاب چکھائیں گے یقیناً تیرا رب جلد مواخذہ کرنے والا ہے اور یقیناً وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے۔"

دوم۔ وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا

(بنی اسرائیل ۴)

ترجمہ۔ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں بخوبی آگاہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ عظیم فساد برپا کرو گے اور بہت سرکشی کرو گے۔"

سوم۔ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ۝ وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔ (بنی اسرائیل : ۱۰۴-۱۰۵)

ترجمہ۔ ہم نے (اس حادثۂ فرعون) کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم زمین میں منتشر ہو جاؤ۔ جب آخری گھڑی کا وعدہ پورا ہوگا تو ہم تم کو سب اطراف سے اکٹھا کر کے لائیں گے۔ قرآن مجید کو ہم نے حق کے ساتھ اُتارا ہے اور یہ حق کے ساتھ اُترا ہے ہم نے تجھے بشارت دینے والا اور انذار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

چہارم۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَٰلِكَ بِمَا

عَصَوا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ○

(آل عمران : ۱۱۲)

ترجمہ۔ یہود پر ذلّت ڈال دی گئی جہاں کہیں بھی یہ پائے جائیں گے ذلیل ہونگے سوائے اسکے کہ وہ اللہ کی رسّی (دینِ حق) کو تھام لیں یا انسانوں کی رسّی کو پکڑ لیں انہوں نے اللہ کے غضب کو کمایا اور وہ مسکنت کا شکار ہوگئے۔ یہ اسلئے ہؤا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کا ناحق مقابلہ کرتے تھے، ان کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ یہ اسلئے کہ وہ عام امور میں نافرمانی کرتے اور حدود سے تجاوز کیا کرتے تھے۔"

قرآن مجید میں متعدد آیات میں ایسی پیشگوئیاں موجود ہیں ہر جگہ یہ بیان ہے کہ یہود اپنے اعمالِ بد کے باعث مستحقِ عذاب ٹھہرے ہیں۔ خدا کا رحمت کا ہاتھ تو بار بار ان کی طرف بڑھا پے درپے نبی مبعوث کئے گئے، مگر یہود کی اکثریت نے رحمت کے ہاتھ کو ٹھکرا دیا اسلئے وہ موردِ عذاب بن گئے۔

پنجم۔ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ○ (المائدہ : ۷۸)

ترجمہ۔ بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسٰی بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔"

اِس آیت کریمہ میں دو نبیوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے جن میں سے ایک صاحبِ سلطنت نبی تھے اور دوسرے صرف صاحبِ نبوّت تھے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہود اپنے بُرے عملوں کے باعث سلطنت سے بھی محروم رہیں گے اور روحانی انعامات اور فیوضِ نبوّت سے بھی محروم ہونگے۔

اِن جملہ آیات پر تدبّر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک یہود ایمان اور عمل صالح کے بارے میں اپنے رویّہ میں تبدیلی نہ کریں گے وہ ذلّت و مسکنت کا شکار رہیں گے البتہ اپنے رویّہ کو بدل کر اس حالت کو بدل سکتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ میں یہود کی ذلّت کے مستقل ازالہ کے لئے خدا کی رسّی کو پیش کیا گیا ہے۔ اور عارضی طور پر اس ذلّت کا تدارک حبل من النّاس کے ساتھ بھی ممکن بتایا گیا ہے۔ اگر یہود ایمان لے آئیں تو اُن کی سزاؤں کے تمام وعید بدل جاتے ہیں اور دنیا و آخرت میں وہ مقبولِ ایزدی بن سکتے ہیں لیکن اگر وہ ایمان نہ لائیں البتہ وہ انسانوں کی رسّی کو پکڑ لیں جیسا کہ انہوں نے

اس آخری زمانہ میں برطانیہ اور امریکہ کی رسی کو پکڑ لیا ہے تو بھی **عارضی طور پر** دنیاوی لحاظ سے ان کی ذلت میں فرق پڑ سکتا ہے۔ سو ان دنوں یہی صورت درپیش ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا بتا رہی ہے کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی سزا کے **دوسرے وعدہ** کے وقت یہود کو فلسطین میں اکٹھا کیا جائے گا۔ اس وعدہ کا ظہور جنگِ عظیم کے بعد سے شروع ہو گیا تھا۔ یہود کے لئے **وطنِ قومی** کی حمایت میں بڑی سلطنتیں برسرِ عمل آ گئی تھیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیائے روحانیت میں کسی قوم پر مسلّط کی جانے والی دوسری قوم اگر خود جادۂ استقامت سے منحرف ہو جائے تو اسے دوہری سزا بھگتنی پڑتی ہے کیونکہ وہ انعام کی ناقدری اور خدائی امانت میں خیانت کی مجرم ہوتی ہے۔ اس وقت عام مسلمانوں کا یہی حال ہے، وہ بدعمل ہو کر اپنے آپ کو حق دار سمجھتے ہیں کہ وہ محض مسلمان کہلانے کے باعث یہود پر مسلّط رہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی **سنّتِ مستمرہ** کے صریح خلاف ہے۔ اسلئے جو کچھ فلسطین میں ہو چکا ہے وہ مسلمانوں کے لئے ایک **آخری انذار** ہے۔ قرآنی وعدوں کے مطابق **ارضِ مقدسہ** یہود سے ضرور آزاد کرائی جائے گی اور خدائی نوشتہ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ (الانبیاء: ۱۰۵) کے موافق انجام کار یہ سرزمین **صالح مسلمانوں** کے قبضہ میں دی جائے گی۔ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں مگر عظیم تبدیلی اور غیر معمولی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ایمان اور عمل صالح کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ **خدا کے فرستادہ کی آواز پر لبیک کہنے کی ضرورت ہے۔**

شاید ہمارے مندرجہ بالا بیان کی **آخری سطر** مادی سامانوں پر نظر رکھنے والوں کو چونکا دینے والی ہو مگر یہ حقیقت ہے جسے ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کی انگلی اس طرف واضح اشارہ کر رہی ہے۔ کیا ہمارے بھائی قدرت کے اس فعل پر نظر نہیں کرتے کہ ۱۹۴۷ء میں نہایت ناسازگار حالات میں محض خدائی تقدیر سے پاکستان قائم ہو جاتا ہے اور اسی زمانہ میں عرب سلطنتوں کی مزاحمت کے باوجود اسرائیل کا ناسور بصورت عذاب مسلّط کر دیا جاتا ہے اور اب تو بیس سال کے اندر چشمِ بصیرت کے لئے عبرت کے اتنے نمایاں سامان پیدا ہو چکے ہیں کہ ان سے آنکھ بند کرنا آسمانی عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

ہم مسلمانانِ عالم کو یقین دلاتے ہیں کہ یہودی سلطنت کے اس عارضی قیام سے گھبرانے کی ہرگز ضرورت نہیں، ضرورت صرف اپنے ایمان کو درست کرنے اور اعمال کو نیک و پاک اور قرآن مجید کے مطابق بنانے کی ہے۔ اے کاش! ہماری اس دردمندانہ درخواست پر ہمارے بھائی توجہ مبذول فرمائیں ✝

قسط ۱

مقام المسیح فی القرآن والانجیل

پادریوں کی کتاب "مسیح کی شان ازروئے قرآن مجید" کا جواب

مسیحؑ کی شخصیت مابہ الاختلاف ہے

اسلام اور موجودہ عیسائیت میں اصل مابہ الاختلاف حضرت مسیحؑ کی شخصیت ہے۔ عیسائی لوگ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، ان کی الوہیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی عقیدہ (الوہیت مسیحؑ) پر تثلیث و کفارہ کی بنیاد ہے کیونکہ اگر حضرت مسیحؑ اِلٰہ نہ ہوں باقی نبیوں کی طرح ایک بشر رسول ہوں تو نہ ان کی الوہیت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی ایک سے زائد خداؤں کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے۔ تثلیث کا عقیدہ الوہیت مسیحؑ کے باطل ہونے سے خود بخود خارج از بحث ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت مسیحؑ اللہ نہیں نبیوں میں سے ایک نبی ہیں تو اُن کی صلیبی موت کو ماننا اور اسے مسیحی کفارہ کی اساس ٹھہرانا دُور از کار بات ہے۔ خود عیسائی لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر مسیح خدا نہیں محض نبی ہیں تو وہ نسلِ انسانی کا کفارہ نہیں ہو سکتے کیونکہ نبی تو صدہا گزرے ہیں ان پر دشمنوں کی طرف سے مصائب بھی بیشمار آئے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان نبیوں کی مصیبتیں بلکہ ان کی راہِ خدا میں موت تک بھی انسانوں کے لئے کفارہ قرار نہ پائے؟ اس عقدہ کو پادری صاحبان یہ کہکر حل کیا کرتے ہیں کہ وہ لوگ نبی تھے مسیح ابن اللہ تھے۔ غرض حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا عقیدہ ہی عیسائیوں کی تثلیث کا سہارا ہے یہی عقیدہ عیسائیوں کے مجوزہ کفارہ کی بنیاد ہے، اگر مسیحؑ کی الوہیت باطل ہو جائے تو تثلیث اور کفارہ کے نظریات خود بخود هَبَاءً مَنْثُورًا ہو جاتے ہیں۔

اختلاف کی نوعیت

مسیحؑ کی شخصیت، مسیحؑ کی صفات اور مسیحؑ کے مرتبہ و مقام کے بارے میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں بنیادی اختلاف ہے۔ اسلام مسیحؑ کی الوہیت کا صریح انکاری ہے اور عیسائیت انہیں الوہیت کے عرش پر بٹھاتی ہے اور ان کیلئے الوہیت سے کم کسی مرتبہ پر راضی نہیں ہوتی۔ اس بنیادی اختلاف کے پیش نظر قرآن مجید اور اناجیل کے رُو سے حضرت مسیحؑ کے مقام اور انکی شان کا تعین ضروری ہے۔ یہ موضوع عیسائیت اور اسلام کے درمیان ایک فیصلہ کن موضوع کی حیثیت رکھتا ہے نیز اسلئے بھی اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ضرورت ہے کیونکہ بعض پادری صاحبان قرآن مجید کے بعض تردید الزامات پر مشتمل الفاظ کو غلط محل پر محمول کر کے غلط فہمی پیدا کرتے ہیں اسلئے ان آیات کی وضاحت ازروئے قرآن مجید ہونی ضروری ہے۔ اگرچہ اناجیل کی حفاظت نہیں ہوئی، ان میں تحریف و تبدیل پادریوں کا روزمرہ کا طریق بن چکا ہے تاہم آج بھی موجودہ اناجیل اصولاً قرآن پاک کی مؤید ہیں۔ ہم اپنے اس مقالہ میں عیسائیوں کی کتاب "مسیح کی شان ازروئے قرآن مجید" کا بھی جواب

علامہ اقبال کی زندگی کے دو دور

احمدیت کی حمایت میں ــــ اور ــــ احمدیت کی مخالفت میں

سیالکوٹ کی اہمیت

سلسلہ احمدیہ میں سیالکوٹ شہر کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعویٰ سے پیشتر ایک لمبا زمانہ اس شہر میں قیام پذیر رہے۔ اس شہر کے معزز اہلِ علم آپ کی عظمتِ روحانی اور آپ کی علمی قابلیت سے خوب شناسا تھے۔ علامہ میر حسن جو ڈاکٹر سر اقبال کے استاد تھے، انہی اہلِ علم لوگوں میں سے ایک تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کے چشم دید گواہ تھے اور اس سے متاثر تھے۔ انہی پُر محبت ایام کی یاد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ کو اپنا دوسرا وطن کہا کرتے تھے۔

علامہ اقبال سیالکوٹ کی مردم خیز زمین کے ایک ہونہار پھل تھے۔ قدرت نے انہیں اعلیٰ دماغی قابلیتوں سے نوازا تھا۔ علامہ اقبال کا جوانی کا عالم تھا، ان کی عمر اندازاً ۲۰-۲۲ سال ہوگی۔ اُن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اشاعتِ اسلام کے لئے پادریوں سے **جنگِ مقدس** کا آغاز فرما چکے تھے۔ پادری آپ کے دلائل کے سامنے عاجز ہو رہے تھے۔ مگر علماء کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شدید مخالفت شروع ہو گئی تھی۔ آپ کے خلاف فتوے جاری تھے اور آپ پر ایمان لانے والوں کو سخت اذیتیں پہنچائی جا رہی تھیں۔ لدھیانہ کے ایک مولوی سعد اللہ سعدی اپنے دل آزار اشعار کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی توہین کے مرتکب ہو رہے تھے۔ علامہ اقبال نے ان دنوں اپنے زمانۂ طالبعلمی میں مولوی سعد اللہ لدھیانوی سعدی کی گالیوں کے جواب میں ایک نظم لکھی جسے خوب شائع کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامہ موصوف کی نصرتِ حق کے لئے پہلی کوشش تھی۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب مرحوم نے اپنی کتاب **آئینۂ حق نما** میں اسے شائع کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

علامہ اقبال کی زندگی کا دَورِ اوّل

علامہ موصوف کی مندرجہ بالا نظم حسبِ ذیل ہے:۔

واہ سعدی دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی
خوب ہوگی بہتروں میں قدر دانی آپ کی

بیت ساری آپ کی بیت الخلا سے کم نہیں
ہے پسند خاکروباں شعر خوانی آپ کی

تیلیاں جاروب کی لیتے وہ خامہ کے عوض
کھینچے تصویر گر بہزاد و مانی آپ کی

راہ اپنی چھوڑ کر نکلے دہن کی راہ سے
ہے مگر بادِ مخالف نغمہ خوانی آپ کی

ان دنوں کو فصلِ گل کہیئے و یا دن پھول کے
ہر طرف ہوتی ہے سعدی گلفشانی آپ کی

آپ کے اشعار ہوتی ہیں مگری کے بغیر
گوشِ عالم تک یہ پہنچے ہیں زبانی آپ کی

گو ہرے رات جھڑے ہیں آپکے مُنہ سے سبھی
جان سے تنگ آ گئی ہے مہترانی آپ کی

ہر طرف سے آ رہی ہے یُوں دُر دُر کی صدا
بھا گئی اہلِ سخن کو دُر فشانی آپ کی

آپ سے بڑھ کر عروضی کوئی دنیا میں نہیں
واہ صاحب شعر خوانی شعر دانی آپ کی

خاک کو ہم چاٹ کر یہ بات کہہ دیتے ہیں آج
تلخ کامی ہو گی یہ شیریں دہانی آپ کی

جب اِدھر سے بھی پڑینگے آپ کو صابن مول
آپ پر کھل جائے گی رنگیں بیانی آپ کی

کھاؤگے فرماتشی سر پلپلا ہو جائے گا
پھر نکل جائے گی سر سے شعر خوانی آپ کی

دین اور ایمان کی دُم میں واہ نمدہ دے دیا
سارے عالم کی زباں پر ہے کہانی آپ کی

. . . .

آفتابِ صدق کی گرمی سے گھبراؤ نہیں
حضرتِ شیطاں کریں گے سائبانی آپ کی

اشتہارِ آخری اک آنت ہے شیطان کی
سر بسر جس سے عیاں ہے خوش بیانی آپ کی

وہ مثل ہے ہے طویلے کی بلا بندر کے سر
ہو گیا ہم کو یقین شامت ہے آئی آپ کی

خر کمہاروں کا مُوا دھوبن ستی ہوتی ہے مفت
ہے مگر قومِ نصاریٰ یار جانی آپ کی

رانڈ کے چرخے کی صورت کیوں چلے جاتے ہیں آپ
اہلِ عالم نے سبھی بکواس جانی آپ کی

نیلے پیلے یُوں نہ ہو پھر کیا کروگے اس گھڑی
جب خبر ہووے گا قہرِ آسمانی آپ کی

بات رہ جاتی ہے دنیا میں نہیں رہتا ہے وقت
آپ کو نادم کرے گی بدزبانی آپ کی

قومِ عیسائی کے بھائی بن گئے پگڑی بدل
واہ کیا اسلام پر ہے مہربانی آپ کی

الـــــــــــــــراقم

شیخ محمد اقبال - ایف۔ اے کلاس سکاچ مشن سکول

سیالکوٹ

(آئینہ حق نما مشتہ شائع شدہ ستمبر ۱۹۱۲ء)

تاریخی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے سیالکوٹ سے انٹرمیڈیٹ پاس کر کے لاہور کالج میں داخلہ لیا۔ یہ ۱۸۹۵ء کا زمانہ تھا۔ بقول مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری ایڈووکیٹ ۱۸۹۶ء۔ ۹۷ء میں جب ڈاکٹر اقبال بی۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے تو

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد اپنے ماحول اور اپنے حالات کے ماتحت علامہ موصوف علمی تحقیقات اور فلسفیانہ ترقی میں منہمک رہے اور شعر گوئی ان کا محبوب شغل تھا۔ دنیوی ترقی ان کے شاملِ حال رہی۔

علامہ اقبال نے زندگی بھر مختلف مواقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کے متعلق نہایت اچھے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اپنے ماحول کی وجہ سے اور شاعرانہ ترقی کے باعث وہ اس طرح احمدیت سے وابستہ تو نہ رہ سکے جس طرح چاہیئے تھا تاہم ان کا دل اس بات کی شہادت دیتا رہا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ایک **برگزیدہ شخصیت** ہیں اور جماعت احمدیہ صحیح اور **ٹھیٹھ مسلمانوں** کی ایک جماعت ہے۔ اس سلسلہ میں ہم علامہ موصوف کے اقوال، بیانات اور تاثرات کا ایک مسلّم مجموعہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

بانیٔ سلسلہ "سب سے بڑے دینی مفکّر"

علامہ اقبال نے سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک مضمون لکھا جس کا ذکر انہوں نے ڈاکٹر نکلسن کے نام اپنے خط میں بایں الفاظ کیا ہے:-

"میں نے آج سے تقریباً ۲۰ سال
قبل انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدہ
پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے
جب نہ تو نٹشے کے عقائد کا غلغلہ
میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی
کتابیں میری نظروں سے گزری تھیں"

(اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۴۵۸)

علامہ موصوف نے انسانِ کامل والے اس اہم مضمون میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل یہ فقرہ بھی تحریر فرمایا ہے:-

**"موجودہ ہندی مسلمانوں
میں مرزا غلام احمد قادیانی
سب سے بڑے دینی مفکّر
ہیں۔"** (رسالہ انڈین انٹی کیوری سنہ ۱۹۰۰ء)

آنحضرتؐ کی بعثتِ ثانیہ اور اقبال

احمدیہ عقائد اس مرکزی نقطہ پر مبنی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی زندہ نبی ہیں اور اب تا قیامت آپؐ ہی کا دین قائم و دائم ہے اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تجلیات ہی دنیا میں کارفرما رہیں گی۔ جماعت احمدیہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کے ضعف و انحطاط کے زمانہ میں حضور علیہ السلام کی قوتِ قدسیہ غیر معمولی طور پر جلوہ گر ہونے والی ہے اور اسی کے ظہور کے ساتھ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز مقدر تھا۔ احمدیہ عقیدہ کی رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت آپ کی ذاتی بعثت نہیں بلکہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثتِ ثانیہ ہے۔ علامہ اقبال زندگی بھر

احمدی عقائد سے متأثر رہے اور مخالفت کے ماحول کے باوجود اور سیاسی رجحانات کے باعث اگرچہ زندگی کے آخری حصہ میں انہوں نے احمدیوں کی مخالفت کی ہے لیکن یہ کہنا قطعی طور پر غلط ہوگا کہ علامہ موصوف کے دل اور دماغ سے احمدیہ عقائد کا اثر زائل ہوگیا تھا۔ ہمارے نزدیک ان کی مخالفت کا باعث محض سیاسی وجوہ ہیں اور اس مخالفت میں بھی احرار کا بڑا ہاتھ تھا جس کا قطعی ثبوت ہم آئندہ صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔ بہر حال یہ ایک واضح سچائی ہے کہ علامہ اقبال آخر تک احمدی عقائد سے متأثر رہے ہیں جن میں سے ایک نظریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ کا ہے۔ علامہ موصوف اپنے مکتوب مؤرخہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں:۔

"کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر **تشریف لائیں** اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔"

(مکاتیب اقبال حصہ اوّل ص۴۶)

اس سلسلہ میں علامہ کے دوسرے مکتوب مؤرخہ ۲۰ اپریل ۱۹۲۲ء کے مندرجہ ذیل الفاظ بھی قارئین کے لئے جاذب توجہ ہیں، لکھا ہے:۔

"عالم کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے اگر ایسا ہو تو رحمۃ للعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لئے تناسخ یا **بروز لازم آتا ہے**۔"

(مکاتیب اقبال حصہ اوّل ص۱۱۵)

علامہ موصوف نے اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر احمدیت کی مخالفت کرتے ہوئے پروفیسر الیاس برنی کے نام جو خط ۲۷ مئی ۱۹۳۷ء کو لکھا اس کے یہ فقرے بھی محققین کے لئے قابل توجہ ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"قادیانی تحریک یا یوں کہیئے کہ بانیٔ تحریک کا دعویٰ سلسلۂ بروز پر مبنی ہے۔ مسئلۂ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے ازبس ضروری ہے۔"

(مکاتیب اقبال حصہ اوّل ص۴۱۹)

ظاہر ہے کہ علامہ اقبال کا ذہن بروز کے مسئلہ میں آخر تک صاف نہ تھا اور انہیں اس بات کا اعتراف تھا کہ بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونے کا دعویٰ ہے، آپ سے علیحدہ ہو کر یا آپ کے مدمقابل ہو کر آپ کا کوئی دعویٰ نہیں ہے اور یہ مسئلۂ بروز بعض صورتوں میں علامہ کے نزدیک بھی محمدیت کیلئے ضروری ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ خود علامہ کے نزدیک یہ مسئلہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے خود احمدیوں کا ایجاد کردہ نہیں ہے۔

وفاتِ مسیح اور علامہ اقبال

یہ بات تو سب کو معلوم ہے اور کوئی شخص اِس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ علامہ اقبال آخری سانس تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات کے قائل تھے اور انہوں نے کبھی بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اس طرح آسمانوں پر زندہ نہیں مانا جس طرح آسمانوں پر زندہ ماننے کو غیر احمدی علماء مسلمان ہونے کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں۔ احمدیت کی مخالفت کے دَور میں بھی علامہ نے احمدیوں کے وفاتِ مسیح کے موقف کو ہمیشہ معقول قرار دیا اور اس کا برملا اعتراف کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"جہاں تک مَیں نے اس تحریک کے منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعتِ مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو رُوحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے، اس خیال سے اس تحریک پر ایک طرح کا عقلی رنگ چڑھ جاتا ہے۔" (رسالہ علامہ اقبال کا پیغام ملّتِ اسلامیہ کے نام صفحہ ۲۲،۲۳)

احراری اخبار مجاہد علامہ اقبال کا بیان بایں الفاظ شائع کرتا ہے :-

"مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جامِ مرگ نوش فرما چکے ہیں نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ رُوحانی اعتبار سے اُن کا **ایک مثیل پیدا ہوگا کسی حد تک معقولیت** کا پہلو لئے ہوئے ہے۔" (اخبار مجاہد لاہور ۱۳ر فروری ۱۹۳۵ء)

اس کے معنے یہ ہیں کہ علامہ اقبال کے نزدیک مسیح علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ ماننا کوئی معقول عقیدہ نہیں ہے اس کے برعکس وہ احمدیوں کے عقیدہ کو اخیر تک معقولیت پر مبنی قرار دیتے رہے ہیں۔

مسئلہ جہاد کے متعلق علامہ اقبال کا موقف

احمدیت کے دشمن ہمیشہ یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ وہ جہاد بالسیف یا اسلام کے نام پر جنگ کرنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ اور جب تک مذہبی آزادی حاصل ہو تب تک مسلمان کو خواہ مخواہ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غیر احمدی علماء احمدیوں کے اس اسلامی عقیدہ کو ہمیشہ قابلِ اعتراض گردانتے رہے ہیں۔ غیر احمدی علماء کے نزدیک جماعت احمدیہ کا موقف قرآن مجید کے مطابق نہیں ہے۔ آئیے آپ علامہ اقبال کا موقف مسئلۂ جہاد کے بارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ وہ مولوی ظفر احمد صاحب کے نام اپنے خط مؤرخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۲۶ء میں تحریر فرماتے ہیں :-

"معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دَورِ ترقی میں جنگ کا حامی ہے غلط

ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدودِ معیّنہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رُو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے مسلمان کو تلوار اُٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم)۔ دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۹ : ۹۴ میں بیان ہوئی ہے۔ ان آیات کو غور سے پڑھیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ چیز جس کو پیموٹیل ہور جمعیت اقوام کے اجلاس میں Collective Security کہتا ہے قرآن نے اس کا اصول کس سادگی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر گزشتہ زمانہ کے مسلمان مدبرین اور سیاسیین قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمعیتِ اقوام کے بنے ہوئے آج صدیاں گزر گئی ہوتیں جمعیتِ اقوام جو زمانہ حال میں بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانونِ الٰہی کی پابند نہ ہو امنِ عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوائے میں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا دینِ اسلام میں حرام ہے علیٰ ہذا القیاس۔ **دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔**"

(مکاتیب اقبال حصہ اوّل صفحہ ۲۰۳-۲۰۴)

اس اقتباس سے ظاہر کہ علامہ کا موقف جہاد کے بارہ میں آخر زندگی تک بالکل وہی رہا جو جماعتِ احمدیہ کا موقف ہے۔ مذہب کی اشاعت کے لئے یا جبر و اکراہ کے لئے جنگ کرنے کا اسلام کی رُو سے کوئی جواز نہیں۔ البتہ دفاعی جنگیں جائز ہیں جس کیلئے قرآن مجید نے خود شرائط مقرر کر دی ہیں۔ یہی جماعتِ احمدیہ کا موقف ہے اور اس موقف کو علامہ اقبال نے آخر تک اختیار کئے رکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے علّامہ اقبال کا مذہبی مشورہ

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ علامہ اقبال اپنے نیک استاد سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کے زیرِ اثر ہمیشہ احمدیت سے گونا وابستہ رہے۔ ان کے ایک

بھائی اور ہونہار و قابل بھتیجے مخلص احمدی ہیں۔ اس ماحول میں یہ کوئی عجیب بات نہ تھی کہ جب انہیں اپنے ایک نجی معاملہ میں دینی فتویٰ حاصل کرنے کی ضرورت پڑی تو ۱۹۱۳ء میں علامہ موصوف نے حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر ہی انحصار فرمایا۔ اس واقعہ کو جناب عبدالمجید صاحب سالک مرحوم نے بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:۔

"علامہ اس بیگم کو لانے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہیں شبہ تھا کہ وہ چونکہ طلاق دینے کا ارادہ کر چکے تھے اس لئے مبادا شرعاً طلاق ہی ہو چکی ہو۔ انہوں نے مرزا جلال الدین کو مولوی حکیم نورالدین کے پاس قادیان بھیجا کہ مسئلہ پوچھ آؤ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ شرعاً طلاق نہیں ہوئی لیکن اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ اور وسوسہ ہو تو دوبارہ نکاح کر لیجئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب کو طلب کر کے علامہ کا نکاح اس خاتون سے دوبارہ پڑھوایا گیا۔ ..... یہ ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے اس کے بعد اقبال کی زندگی کا اسلوب کاملاً بدل گیا۔"

(ذکر اقبال از عبدالمجید سالک ص۱۰)

خروج یاجوج و ماجوج اور علامہ اقبال

احادیث نبویہ کے مطابق جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں جس دجّال کا ظہور مقدر تھا وہ یہی یاجوج و ماجوج کی دو بڑی طاقتوں کے پادری اور مادی خلاسفر ہیں۔ یاجوج و ماجوج سے مراد (۱) روس اور (۲) انگریز اور امریکن اقوام ہیں۔ ان دونوں قوموں پر وہ تمام علامات صادق آتی ہیں جو یاجوج و ماجوج کے بارہ میں قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہیں۔ اس لحاظ سے یہی زمانہ مسیح موعود کی بعثت کا زمانہ متعیّن ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال زندگی بھر اس نظریہ کے قائل رہے کہ یاجوج و ماجوج کا خروج ہو چکا ہے اور ان کے لشکر کھل چکے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے ایک شعر میں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ یاجوج و ماجوج کے بارہ میں قرآنی پیشگوئی مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ پوری ہو چکی ہے۔ ان کا مشہور شعر ہے ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ يَنْسِلُوْن

(بانگ درا ص۳۳۲)

احادیث مہدی و مسیح کے متعلق علامہ اقبال کا غلط موقف

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال احمدیت کے بعض بنیادی عقائد اور اساسی نظریات سے

علامہ اقبال آخر تک الگ نہ ہو سکے تاہم وہ اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے اپنے سابق موقف سے کچھ پیچھے ہٹتے گئے اور انہیں بعض غلط نظریات قائم کرنے پڑے۔ بطور مثال انہوں نے احمدیت سے دُور ہو کر یہ خیال قائم کر لیا کہ احادیث نبویہ جو مسیح اور مہدی کی آمد کے بارہ میں ہیں سب کی سب غلط اور عجمی سازش کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے یہ موقف اس لئے اختیار کیا تا انہیں مسیح موعود علیہ السلام کو مان کر بعض قربانیاں اور پابندیاں اختیار نہ کرنی پڑیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو موقف انہوں نے اختیار کیا ہے وہ ایسا بدیہی البطلان ہے کہ آج تک علمائے اہلسنت والجماعت اور علمائے اہلِ تشیع میں سے کسی نے اس موقف کو نہیں اپنایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علامہ اقبال نے یہ موقف محض **ایجادِ بندہ** کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اسلامی علوم میں اس موقف کے لئے کوئی سند موجود نہیں ہے۔

جماعت احمدیہ "اسلامی سیرت کا نمونہ" جماعت ہے

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ علامہ اقبال (پیدائش ۱۸۷۳ء) اپنے سنِ شعور کے ابتداء سے بانی سلسلہ احمدیہ کے مداح اور مرید رہے ہیں۔ انہوں نے انہی عقائد اور نظریات کو اپنایا ہے جنہیں سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے۔ ان کی ذاتی زندگی اور ان کے خاص ماحول کی کشش کے باوجود وہ اپنے نئے اور **مخالف سیاسی دور** میں داخل ہونے سے پہلے تک جماعت احمدیہ کی ہر طرح تعریف کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ بیسویں صدی مسیحی کے دوسرے عشرہ میں انہوں نے مدراس میں جو لیکچر دیئے اور جو "**ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر**" نامی رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں انہوں نے جماعتِ احمدیہ کے متعلق واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ یہ جماعت **ٹھیٹھ اسلامی سیرت** کا نمونہ ہے۔ ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

> "میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد ہونا چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیشِ نظر رکھیں۔ **پنجاب** میں **اسلامی سیرت کا نمونہ اس جماعت** کی شکل میں ظاہر ہوا جسے **فرقہ قادیانی** کہتے ہیں۔" (ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر مطبوعہ ۱۹۱۹ء)

علامہ اقبال کے اسی نظریہ کا اثر تھا کہ آپ نے اپنے صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب کو بنیادی تعلیم کیلئے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں داخل فرمایا تھا۔ علامہ اقبال کے جماعت کے بارے میں یہ خیالات ۱۹۳۰-۳۱ء تک ظاہر و باہر ہیں۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور علامہ اقبال

کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لئے ۱۹۳۱ء میں ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی معرض وجود میں آئی۔ اسی سلسلہ میں احراری لیڈر مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی لکھتے ہیں :-

"۲۴ر جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں سرفضل حسین کے ایماء پر سربرآوردہ مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں کشمیر کے دس نئے لیڈر بھی شریک ہوئے اس جلسے میں مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان کو کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسٹر عبدالرحیم درد جو خلیفہ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے کشمیر کمیٹی کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ شملے ہی سے مرزا محمود نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے مجھے اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے اسلئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ۱۴ر اگست ۱۹۳۱ء کو تمام ہندوستان میں یوم کشمیر منایا جائے۔ مسٹر عبدالرحیم درد نے ہندوستان کے تمام مشہور علماء، فضلاء، وکلاء اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بنا لیا گیا ہے ..... سوائے مجلس احرار کے رہنماؤں کے کسی نے بھی عبدالرحیم درد پرائیویٹ سیکرٹری مرزا محمود کو انکار کا خط نہ لکھا۔"

(کتاب رئیس الاحرار صفحہ ۱۵۷-۱۵۸)

شورش کاشمیری نے اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ :-

"گورنمنٹ آف انڈیا نے کوشش کی کہ وہ اپنے فرستادہ لوگوں کی معرفت کام لے چنانچہ ان عناصر نے **علامہ اقبال کو لیپا پوتی کرکے اپنے ساتھ ملا لیا**۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔"

(کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۸۵)

علامہ اقبال کوئی بچے نہ تھے کہ بقول شورش انہیں "لیپا پوتی" کرکے آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں شامل کر لیا گیا۔ وہ اپنے بھائیوں مسلمانانِ کشمیر کا درد رکھتے تھے اس لئے از خود برضا و رغبت آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے باوقار رکن اور نائب صدر بنے تھے۔

کشمیر کمیٹی میں علامہ اقبال کی شمولیت اور احرار

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی سے مسلمانانِ کشمیر کی مصیبتوں کے بادل چھٹ رہے تھے، یہ بات نہ ہندو کانگرس کو گوارا تھی اور نہ مہاراجہ کشمیر کو۔ انہوں نے احراریوں کو آلۂ کار بنا کر آگے کر دیا۔ احراری لیڈر حبیب الرحمن لدھیانوی لکھتے ہیں :-

"ہم نے موجودہ کشمیر کمیٹی کی سیاسی سازش، ڈاکٹر اقبال کی کشمیر کمیٹی میں شمولیت، سر فضل حسین کی سرپرستی، اور انگریزی حکومت کی بدنیتی، فرقہ دارانہ فسادات اور ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں مولانا آزاد سے تفصیلی گفتگو کی تو مولانا آزاد نے سب باتیں سن کر کہا کہ احرار کو فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے۔"

(کتابچہ رئیس الاحرار صفحہ ۱۵۸)

اس اقتباس سے عیاں ہے کہ احرار نے کشمیریوں کی لٹیا ڈبونے کے لئے ہندو کانگرس کے اشاروں پر عمل کیا تھا اسی کتاب میں لکھا ہے کہ :-

"احرار رہنماؤں نے محسوس کیا کہ کشمیر کمیٹی کی وجہ سے تمام مسلمان مرزائی اور قادیانی ہو جائیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد کو سخت دھکا لگے گا مولانا مظہر علی نے مسئلہ کشمیر میں احرار کے شامل ہونے کا اعلان کر دیا.....

.....احرار رہنما صورتِ حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کشمیر کی طرف بڑھے اور کشمیر کمیٹی کو پہلے مرحلے پر ختم کر دیا۔ ڈاکٹر اقبال کشمیر کمیٹی کی نائب صدارت سے مستعفی ہو گئے اس پر میاں فضل حسین نے چودھری افضل حق کو کہا کہ میں ایک نہ ایک دن احرار کو مٹا دوں گا۔ آخر مسجد شہید گنج کا قصہ کھڑا کر کے ۱۹۳۵ء میں احرار کو دل کھول کر مٹایا۔"

(رئیس الاحرار صفحہ ۱۵۹)

علّامہ اقبال کے دورِ مخالفت کا آغاز

سیاسی شورشوں سے ہمارے مقالہ کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم اس جگہ ان پر کوئی تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اقتباسات صرف اس پس منظر کو اجاگر کرنے کے لئے درج کئے گئے ہیں جس میں علّامہ اقبال کی مخالفت احمدیت کے دور کا آغاز ہوا ہے ورنہ کشمیر کمیٹی کے قیام (جولائی ۱۹۳۱ء) اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک علّامہ اقبال ذہنی اور عملی طور پر جماعت احمدیہ کے مدّاحوں میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے کشمیر کمیٹی میں سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کو خود صدارت کے لئے نامزد کیا تھا اور بطور نائب صدر اس کمیٹی میں کام کرتے رہے۔

ہمیں احرار لیڈروں کو کریڈٹ دینا پڑیگا کہ انہوں نے کانگرس کے پروگرام "تفریق بین المسلمین" کو مؤثر انداز میں سرانجام دیا۔ علّامہ اقبال اپنے فلسفی کو ایک طرف تو یہ ڈراوا دیا کہ "تمام مسلمان مرزائی اور قادیانی ہو جائیں گے" اور دوسری طرف بطمع پیش

کیا کہ ان کی **قیادت** میں ہم بہت عروج حاصل کر سکیں گے۔ احراری علامہ اقبال کو پہلے سے "لیبا پوتی" کی زد میں آجانے والا سمجھتے تھے وہ ایک پلان کے ماتحت علامہ اقبال کے پاس پہنچے اور پھر بقول مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی یوں ہوا کہ:-

"حضرت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری۔ ناقل) نے تحریکِ خلافت کے زمانے سے لے کر تحریکِ احرار کے زمانے تک میری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سرپرستی فرمائی۔ قادیانیوں کے بارے میں جماعت احرار کا نقطۂ نظر، اسلام میں **ختمِ نبوت کی بنیادی اہمیت سمجھانے کے لئے سر ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کی**۔ ڈاکٹر اقبال کو اپنا ختمِ نبوت کا رسالہ پڑھ کر سُنایا۔ **اس کے فوراً بعد ہی ڈاکٹر اقبال نے کشمیری کمیٹی کی ممبری سے استعفاء دے دیا**۔ جس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی تھے۔ اس طرح ڈاکٹر اقبال نے **مرزائیت کے چنگل** سے نجات پائی۔ اور اسلام کے صحیح اعتقادات پر عقیدہ رکھنے کی ڈاکٹر صاحب کو توفیق حاصل ہوئی۔ **اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے قادیانیوں کے خلاف مضامین لکھے**۔"

(کتاب رئیس الاحرار صفحہ ۱)

اس بیان سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ احراری لیڈروں نے علامہ اقبال کو "ختمِ نبوت کی بنیادی اہمیت" کس مرحلہ پر اور کن طریقوں سے سمجھائی تھی اور کس طرح انہوں نے علامہ اقبال کو بقول خود "**مرزائیت کے چنگل سے نجات**" دلائی۔ یہ وہ موڑ ہے جہاں سے علامہ اقبال کی جماعت احمدیہ سے مخالفت شروع ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ **سیاسی موڑ** ہے، مذہب یا ختمِ نبوت کے مسئلہ کو تو اس میں اتنا ہی دخل ہے جتنا دخل ۱۹۵۳ء کے فسادات میں تھا۔ وہ بھی سیاسی لوگوں کی انگیخت تھی اور یہ بھی ایک سیاسی چال تھی۔ علامہ اقبال بہت بڑے فلسفی تھے، بہت بڑے شاعر تھے، مسلمانوں کی ہمدردی سے ان کا دل ہمیشہ پگھلتا رہا ہے جس کا بدلہ وہ خدا کے ہاں سے ضرور پائیں گے مگر احرار کی "لیبا پوتی" میں آکر انہیں زندگی کے آخری حصہ میں احمدیت کی مخالفت میں اتنی بڑی غلطی نہ کرنی چاہیئے تھی جو وہ

جماعت احمدیہ کا اشاعتِ اسلام کا جوش قابل قدر ہے

علامہ اقبال کا قول ہے کہ "میرے نزدیک

تبلیغِ اسلام کا کام اِس وقت تمام کاموں پر مقدّم ہے" (اقبال نامہ حصہ اوّل ص۲۰۹) سیاسی اختلاف کے باوجود علامہ اقبال یہ تسلیم کرتے رہے کہ جماعتِ احمدیہ کا اشاعتِ اسلام کا جوش قابلِ قدر ہے۔ چنانچہ انہوں نے چودھری محمد احسن صاحب کے نام ۷/ اپریل ۱۹۳۲ء کو اپنے خط میں لکھا:-

"باقی رہی **تحریک احمدیت** سو میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کو میں **غیرت مند مسلمان** جانتا ہوں اور ان کی اشاعتِ اسلام کی مساعی میں ان کا ہمدرد ہوں۔ کسی جماعت میں شریک ہونا یا نہ ہونا انسان کی ذاتی افتادِ طبیعت پر بہت کچھ انحصار رکھتا ہے۔ تحریک میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہیئے۔ اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے کئی طریق ہیں جن طریقوں پر اِس وقت تک عمل ہوا ان کے علاوہ اور طریق بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے عقیدہ ناقص میں جو طریق مرزا صاحب (حضرت مسیح پاک علیہ السلام۔ ناقل) نے اختیار کیا ہے وہ زمانہ حال کی طبائع کیلئے موزوں نہیں ہے۔ ہاں **اشاعت اسلام کا جوش جو اُن کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابلِ قدر ہے**۔"

(مکاتیب اقبال حصہ دوم ص۲۳۲)

پس ظاہر ہے کہ علامہ اقبال کی احمدیت کی مخالفت سیاسی مخالفت تھی اور وہ بھی دوسروں بالخصوص احرار کے زور دینے پر۔

علامہ اقبال کے سیاسی نظریہ میں تبدیلی

مسئلہ کشمیر میں احرار کی "مداخلت" سے جو صورت پیدا ہوگئی وہ سب کے سامنے ہے۔ اس کے نتائج ساری دنیا کو معلوم ہیں۔ جہاں تک علامہ اقبال کا تعلق ہے وہ اس کے نتیجہ میں احمدیت سے دُور ہوتے گئے۔ ان تک جو باتیں پہنچائی جاتی تھیں ان سے مظلوم کشمیریوں کے مقدمات میں احمدیوں کی عام خدمتِ خلق پر بھی ان کو اعتراض ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے مکتوب مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۳۴ء میں سید نعیم الحق صاحب کو لکھتے ہیں:-

"جس مقدمہ کی پیروی کے لئے میں نے آپ سے درخواست کی تھی اس کی پیروی چودھری ظفر اللہ خان کریں گے ۔ ۔ ۔ چودھری ظفر اللہ خان کیونکر اور کس کی دعوت پر وہاں

جارہے ہیں مجھے معلوم نہیں۔ شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں۔"

(مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۴۳۵-۴۳۶)

یہ خط غمازی کر رہا ہے کہ علامہ کا نقطۂ نگاہ سیاسی طور پر بدل گیا ہے اور احمدیوں کو ان کی نگاہ میں قابلِ نفرت ٹھہرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تأثرات کی وجہ سے انسان کے نظریات پر بھی اثر پڑتا ہے۔ عرب شاعر کہتا ہے ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة
ولکن عین السخط تبدی المساویا

کہ جب ناراضگی ہو تو انسان کو دوسرے میں ہزاروں عیب نظر آنے لگتے ہیں۔ کجا وہ دن تھے کہ علامہ اقبال آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رکن رکین تھے اور حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کی زیرِ صدارت کام کرتے تھے اور کجا یہ وقت آگیا کہ انہیں مظلوم کشمیریوں کے مقدمات کی پیروی کیلئے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا پیش ہونا بھی ناگوارِ خاطر ہے۔

علامہ اقبال کے استفسار از دلائل احمدیت بارے میں

علامہ اقبال کی جماعت احمدیہ سے دُوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں احمدیہ عقائد اور دلائل کے جوابات سیکھنے چاہئیں۔ اس عنوان کو لمبا کرنے کی ضرورت نہیں ہم صرف ایک مکتوب کا اقتباس قارئین کی توجہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔ علامہ اقبال اپنے مکتوب مورخہ یکم اگست ۱۹۲۵ء میں جناب سید سلیمان صاحب ندوی کے نام لکھتے ہیں:۔

"چند امور اور بھی دریافت طلب ہیں ان کے جواب سے بھی ممنون فرمائیے۔

۱۔ تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵ میں حضرت عائشہؓ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ حضور رسالت مآبؐ کو خاتم النبیین کہو مگر یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔

مہربانی کرکے کتاب دیکھ کر یہ فرمائیے کہ آیا اس قول کے اسناد درج ہیں اور اگر ہیں تو آپ کے نزدیک ان اسناد کی حقیقت کیا ہے؟ ایسا ہی قول درِّ منثور جلد پنجم صفحہ ۲۰۴ میں ہے، اس کی تصدیق کی بھی ضرورت ہے۔...

۲۔ حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷-۴۳۱ حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کے متعلق ارشاد ہے: "مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ کَفَرَ حَقًّا" اس قول کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہے۔

۳۔" لو عاش ابراھیم
لکان نبیاً" اس حدیث کے
متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"
(مکاتیب اقبال جلد اول صفحہ ۱۹۱-۱۹۳)

علامہ اقبال کے ان "سوالات" سے عیاں ہے کہ انہیں ۱۹۳۵ء میں ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت احمدیہ کے موقف اور احمدیوں کے دلائل کے وہ "جوابات" معلوم کریں جو علماء کی طرف سے دیئے جا سکتے ہیں۔ اگر سیاسی مخاصمت درمیان نہ ہوتی تو ان "سوالات" کی غالباً ضرورت ہی پیدا نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو علامہ اقبال الیسا صاحبِ تحقیق شخص فریقین کے جوابات کا موازنہ ضرور کرتا اور یک طرفہ بیان پر انحصار نہ کرتا۔ مگر اب تو بات بیت چکی ہے اور علامہ اقبال کی ۱۹۳۸ء میں وفات کے بعد حالات بدل چکے ہیں۔ والی اللہ تصیر الامور۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علامہ اقبال نے مذہبی نقطۂ نظر سے احمدیہ عقائد کی جو تائید فرمائی، بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام سے جو **اظہارِ عقیدت** فرمایا، جماعت احمدیہ کے **اشاعتِ اسلام** کے **جوش** کی جو داد دی اور عملی طور پر سالہا سال جماعت احمدیہ کے ساتھ جو تعاون فرمایا وہ بہت بڑا **وزن** رکھتا ہے۔ مشہور مقولہ لکلِّ عالمٍ هفوةٌ کے مطابق "اگر احرار کی" لیپا پوتی" کے باعث ان سے آخری حصۂ زندگی میں ایک لغزش بھی ہو گئی تو آخر وہ نبی یا رسول تو نہ تھے کہ غلطیوں سے معصوم قرار دیئے جائیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ ہم ان کے اچھے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور ان کی شاعرانہ قابلیت اور مسلمانانِ عظیم کی جاندار خدمت کے لئے ان کا ذکرِ خیر کرتے رہیں گے واللہ من وراء المقصد +

مسلمانوں کی حالت

مولوی محمد یوسف صاحب بنوری کے مقالہ سے:-

"اگر مسلمان ہی یہودیانہ پارٹ ادا کرنے لگیں اور یہود و نصاریٰ اور ہنود و مجوس کی سی زندگی کو اپنا لیں۔ اقبال کے لفظوں میں ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تو خدا کو ایسے بدنام کنندہ نکونامے چند قسم کے نام نہاد مسلمانوں کی ضرورت نہیں پھر ان کی ذلت اور موت مقدر ہو چکی ہے۔"
(حیاتِ لاہور ۲۳ جولائی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۶)

الفرقان۔ اس قابلِ رحم حالت میں ہدایت و ترقی دینے کے لئے **سنت اللہ** کیا ہے؟۔ ہمارے بھائی تاریخ مذاہب پر غور کریں کیا ایسے ہی وقت آسمانی مسیحا مبعوث نہیں ہوا کرتے؟

عیسائیوں کے پادری عبدالحق صاحب اور ہم

مسیحی رسالہ ھما جبلپور (بھارت) کی "گزارشات" پر ایک نظر

بھارتی عیسائیوں کے سہ ماہی رسالہ ھما (جبلپور) بابت اپریل ۱۹۶۷ء میں جو گزشتہ دنوں موصول ہوا ہے ایک مضمون بعنوان "گزارشات" شائع ہوا ہے۔ گاہے ماہے رسالہ ھما دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے۔ اس رسالہ کی عام ظاہری پالیسی "سانپوں کی مانند ہوشیار" کے اصول پر مبنی ہے جس سے بسا اوقات عام مسلمانوں کو پادریوں کے "نرم رویہ" کے باعث قدرے مغالطہ ہو جاتا ہے فاضل مدیر ھما نے "گزارشات" کے عنوان سے جناب پادری عبدالحق صاحب کے کرخت کلمات کو اپنے تیز و تند نوٹ کے ساتھ شائع کر کے اپنے قارئین کو حقیقی موازنہ کرنے کا موقعہ فراہم کر دیا ہے اس پہلو سے ہم ان "گزارشات" پر ان کے بہت ممنون ہیں۔

پادری صاحب سے تحریری مناظرہ

قصہ یوں ہوا کہ ہم نے "عیسائیوں سے لاجواب گفتگو" کے عنوان سے اکتوبر ۱۹۶۱ء میں مباحثہ مصر شائع کیا۔ پادری عبدالحق صاحب بھارتی ان دنوں اپنے تبلیغی مشن پر پاکستان آئے ہوئے تھے لاہور میں ایک احمدی دوست کے ہاں جانے پر ان سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی۔ مباحثہ مصر کے ٹائیٹل پیج پر میں نے اس مباحثہ کے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "جناب پادری عبدالحق صاحب کے نام" سے لکھا کہ :-

> "میرا یقین ہے کہ آپ ان کی ہرگز تردید نہیں کر سکیں گے۔ نیز اگر آپ علیحدہ طور پر الوہیت مسیح یا حضرت مسیح کی صلیبی موت پر ایک مستقل تحریری مناظرہ کرنا پسند کریں تو ہماری طرف سے اس بارے میں کھلی دعوت ہے۔"

یہ مباحثہ پادری صاحب موصوف کو بصیغہ رجسٹری بھیجا گیا۔ آپ اس پر بہت جز بز ہوئے اور حسب عادت جسے ہم مدتوں سے جانتے ہیں آپ نے متکبرانہ لہجہ میں بہت کچھ لکھا۔ مگر ہماری قوت برداشت اور رواداری آڑے آئی۔ آخر خط و کتابت میں یہ طے ہو گیا کہ :-

ہمارے اور پادری صاحب کے
درمیان الوہیت مسیح کے موضوع
پر پہلے تحریری مناظرہ ہوگا اور اس
موضوع پر فریقین کے سات
پرچے ہوں گے۔

جناب پادری عبدالحق صاحب نے جنڈی گڑھ بھارت سے "ابن اللہ کا تجسم" کے عنوان سے اس مناظرہ کا پہلا پرچہ تحریر کیا۔ وہ پرچہ "تحریری مناظرہ" میں طبع ہو چکا ہے قارئین خود اسے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ پادری صاحب نے دودھ میں مینگنیاں ڈالنے والی بکری کی عادت کے مطابق اصل پرچہ سے پہلے کچھ غیر متعلق کلمات لکھے تھے۔ ہم نے چاہا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اصل موضوع پر ہی رہیں مگر ہمیں اعتراف ہے کہ ہم پادری صاحب کو ان کی ضد سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بہرحال وہ تحریری مناظرہ جاری ہوا۔ ہم نے جواب لکھا انہوں نے جواب الجواب بھیجا۔ پھر ہم نے **دوسرا جوابی پرچہ** تحریر کیا۔ بس پھر کیا تھا پادری صاحب روٹھ گئے اور لکھ بھیجا کہ ہم آئندہ پرچہ نہ لکھیں گے۔ ہم نے کئی بار اصرار کیا کہ جناب غصہ تھوک دیں، الوہیت مسیح پر بحث کو مکمل کریں، مگر ان تلوں میں تیل نہ تھا۔ پادری صاحب نے نہ ماننا تھا نہ مانے۔ مجبوراً ہم نے پادری صاحب کے دونوں پرچے اور اپنے دونوں پرچے ایک کتاب کی شکل میں **تحریری مناظرہ** کے عنوان سے من وعن چھپوا دئیے جنہیں ہر شخص پڑھ کر دونوں فریقوں کے دلائل اور اخلاق اور تہذیب و شرافت کا موازنہ کر سکتا ہے۔

ایڈیٹر صدق جدید کا تبصرہ

جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی ایڈیٹر صدق جدید نے **تحریری مناظرہ** پر حسب ذیل تبصرہ فرمایا تھا:۔

"یہ مناظرہ موضوع الوہیت مسیح پر مولوی صاحب (ابوالعطاء صاحب جالندھری) موصوف اور ایک مسیحی مناظر پادری عبدالحق جنڈی گڑھ مشرقی پنجاب کے درمیان ہوا۔ پڑھے لکھے مسلمانوں کے لئے پڑھنے کے قابل ہے۔ پادری صاحب کی تحریروں میں قدیم یونانی معقولات کی بھرمار اور **درشت کلامی** اور حریف پر مسلسل **ذاتی حملے** نمایاں ہیں۔" (صدق جدید لکھنؤ ۲۲ فروری ۶۳ء)

عیسائی رسالہ ھما اور "تحریری مناظرہ"

مسیحی ایڈیٹر صاحب ھما کو ہمارے بھائی مولانا محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیان نے لکھ دیا کہ اس **تحریری مناظرہ** میں پادری عبدالحق صاحب شکست کھا گئے ہیں اور یہ مناظرہ چھپ بھی چکا ہے ایڈیٹر ھما لکھتے ہیں:۔

"مجھے اس تحریری مناظرہ کا کوئی علم نہ تھا اور اس بارہ میں کوئی کتاب بھی نظر سے نہ گزری تھی.... اس تحریری مناظرہ کا احمدی ایڈیشن دیکھنے اور پڑھنے کی حسرت ابھی باقی ہے۔" (ھما اپریل ۱۹۶۴ء)

ایڈیٹر صاحب ھما پادری عبدالحق صاحب کے پاس چندی گڑھ پہنچے اور ان کے بیان پر اعتماد کر کے انہوں نے لکھ دیا کہ:-

"تحریری مناظرہ کی شرائط ابھی پوری طرح طے بھی نہیں ہوئی تھیں کہ مولوی اللہ دتا صاحب نے پادری صاحب اور اپنے مابین خط و کتابت کو شائع کر کے یک طرفہ فیصلہ صادر فرمایا اور یہ مشہور کیا کہ **پادری عبدالحق صاحب الوہیت مسیح پر تحریری مناظرہ میں بری طرح شکست کھا گئے۔"**

جواباً گزارش ہے کہ تحریری مناظرہ مطبوعہ چیز ہے۔ فریقین کے دو دو اصل پرچے طبع شدہ ہیں ان کو دیکھ کر ایڈیٹر ھما اندازہ کر سکیں گے کہ پادری صاحب کا اس مناظرہ میں کیا حال ہوا تھا۔ اس بارے میں ہمارے کچھ کہنے یا تحریر کرنے کا سوال ہی نہیں ہے[1]

عیسائی ایڈیٹر ھما کی غلط فہمی

ایڈیٹر ھما پادری عبدالحق صاحب کے کسی خط کا ذکر فرماتے ہیں جو انہوں نے یکم جون ۱۹۶۴ء کو مجھے لکھا تھا۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ **تحریری مناظرہ** کو پادری عبدالحق صاحب نے ۱۱ر **جولائی ۱۹۶۲ء** کو ختم کر دیا تھا اور **اکتوبر ۱۹۶۲ء** میں پادری صاحب پر اتمام حجت کے بعد تحریری مناظرہ کو طبع کرا کے شائع کر دیا گیا۔ اور پادری صاحب کو بصیغہ رجسٹری بھیج دیا گیا تھا۔ مگر پادری صاحب بالکل لاجواب ہو گئے تھے۔ اب اگر **تحریری مناظرہ** کی اشاعت کے **دو سال بعد** پادری صاحب گالیوں سے پُر اور غیر متعلق خط لکھیں تو کس منطق کی رُو سے ہم پر الزام آتا ہے؟ کیا ایڈیٹر ھما کا یہی **انصاف** ہے کہ وہ محض پادری صاحب کے غلط بیان پر ہمیں "صداقت و شرافت سے دُور" اور "تحریری مناظرہ میں مقابل آنے کا حوصلہ نہ کرنے والے" قرار دے رہا ہے ع

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

فاضل مدیر ھما ہمارے رسالہ **مباحثہ مصر** کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"مولوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں ان کا کوئی مباحثہ مصر میں کسی مسیحی مبلغ کے ساتھ ہوا تھا

---

[1] ہم نے کتاب **تحریری مناظرہ** مع اپنی ایک چٹھی کے مدیر ھما کو بھجوا دی ہے۔

اور اسی کی روئداد اب ۱۹۶۱ء
میں بزبان اُردو شائع کی جا رہی ہے
**گویا اس مباحثہ کو اردو میں
منتقل کرنے میں ۲۸ سال کا
طویل عرصہ گزر گیا۔** (ھمامش)

ایڈیٹر صاحب مغالطہ کھا گئے ہیں یا وہ لوگوں کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود اسی صفحہ پر مباحثہ مصر میں شائع شدہ مندرجہ ذیل ہمارا بیان نقل کر چکے ہیں کہ :-

"اس عربی مضمون کا ترجمہ نومبر
۱۹۳۲ء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز
قادیان کے خاص نمبر میں شائع کیا گیا
مگر کسی پادری کو نہ بلادِ عربیہ میں
اور نہ ہندوستان میں جواب لکھنے
کی جرأت ہوئی" (ھماص)

یہ عربی کا ترجمہ اُردو میں ہی شائع ہوا تھا اسلئے یہ لکھنا سراسر غلط ہے کہ "اس مباحثہ کو اُردو میں منتقل کرنے میں ۲۸ سال کا طویل عرصہ گزر گیا"۔ اس اعتراض سے مدیر صاحب کی نیک نیتی عیاں ہے۔

پادری عبدالحق صاحب کا خط

ایڈیٹر صاحب ھما نے پادری عبدالحق صاحب کا مغلظات سے لبریز خط شائع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایڈیٹر الفرقان اپنے مقتدر ماہنامہ میں اس پر تبصرہ فرمائیں گے" اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پادری عبدالحق کے خط کے متعلق مختصر طور پر حقائق کا اظہار کر دیں۔ خط کا بیشتر حصہ تو گالیوں اور پادری صاحب کے متکبرانہ بیانات پر مشتمل ہے۔ اس میں ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں۔ کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ۔ ۱۹۶۲ء میں الوہیت مسیح کے تحریری مناظرہ کو بند کر کے اگر پادری صاحب پچھتاتے ہیں کیونکہ وہ **تحریری مناظرہ** (فریقین کے دو دو پرچے) شائع ہو چکا ہے تو ہم انہیں آج پھر **دعوت** دیتے ہیں کہ وہ حسب فیصلہ سابق اس موضوع پر نئے سرے سے تحریری مناظرہ کر لیں، بشرطیکہ سات پرچے مکمل ہوں اور کوئی ذاتی اور غیر مہذب بات نہ لکھیں۔ اگر انہیں یہ منظور ہے تو ع چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ پادری صاحب شکست خوردہ حریف کی طرح گالیوں پر اُتر آتے ہیں اور کسی بات کے طے کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اسلئے ہم مدیر ھما سے کہتے ہیں کہ اسلام اور عیسائیت کے اختلافی عقائد میں سے دو وہ تجویز کریں اور دو ہم تجویز کریں گے۔ ان چاروں موضوعات پر سیر حاصل تحریری بحث ہو جائے جو بعد ازاں طبع ہو کر فائدہ عام کے لئے شائع ہو جائے۔ کیا پادری صاحب اس کے لئے تیار ہوں گے؟ اسی طرح پادری عبدالحق صاحب کا یہ وہم بھی زائل ہو جائے گا کہ ہمیشہ عیسائیوں کے عقائد پر ہی بحث کے لئے کہا جاتا ہے۔ تحریری مناظرہ اسلئے لازمی ہے کہ کوئی شخص بعد ازاں غلط بیانی نہ کر سکے گا اور نہ لاف و گزاف مار سکے گا۔

پادری عبد الحق صاحب سے مناظرات

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے پادری عبد الحق صاحب کے ساتھ بیسیوں مرتبہ مناظرہ اور گفتگو کا موقعہ ملا ہے۔ یہ کوئی تعلی اور انانیت کی بات نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ہر مرتبہ حق کا بول بالا ہوا۔ ایسا اوقات پادری صاحب سخت جھنجھلاہٹ کی حالت میں بدزبانی پر اُتر آتے رہے۔ ایک دفعہ جبکہ سیالکوٹ، گجرات وغیرہ کے بعد خانیوال میں ہم پادری صاحب کے تعاقب میں پہنچے تو مشن ہاؤس کے ہر مطبوعہ اشتہار میں پادری عبد الحق صاحب کے نام کے آگے کٹی ہوئی جگہ تھی۔ بات یہ تھی کہ پادری صاحب چند اور معاندینِ احمدیت کی طرح اپنے نام کے ساتھ جھوٹے طور پر "فاتح قادیان" کا نام چپکاتے پھرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اشتہار میں ایسا شائع ہو تو پادری صاحب کو عوام کے سامنے احمدی مناظروں کی دعوتِ مقابلہ کا صریح انکار آسان نہ ہوتا تھا مگر اس دَورہ میں پے در پے شکستوں سے پادری صاحب اتنے زِچ تھے کہ آپ نے خانیوال کے مطبوعہ اشتہار سے یہ لفظ کٹوا کر اسے تقسیم کروایا تھا مگر ان کی جان پھر بھی نہ بچی کیونکہ احمدیوں نے وہ کٹا ہوا حصہ تلاش کر کے اور مجمع میں پیش کر کے انہیں مزید رسوا کیا۔ یہ ایک ادنیٰ نمونہ ان مقابلہ جات اور مناظرات کا تھا جو پادری صاحب سے ہوتے رہے۔ آخر پادری صاحب نے اس سلسلہ کو بند کر دیا تھا۔

قصور میں پادری صاحب سے مناظرات

پادری عبد الحق نے "قصور کے مناظرہ سے لوٹتے وقت" کا ایک واقعہ مسخ کر کے اپنے خط میں تحریر کیا ہے مگر "قصور کے مناظرہ" کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ ۲۶-۱۹۲۷ء کی بات ہے میں ابھی اپنے محترم استاد حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کے پاس مبلغین کلاس میں زیر تعلیم تھا کہ قصور میں عیسائیوں کا جلسہ تھا۔ پادری عبد الحق صاحب بھی وہاں پہنچے۔ قادیان سے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رض اور حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیر رض کی رفاقت میں خاکسار بھی قصور پہنچا۔ ہم نے چاہا کہ پادری عبد الحق صاحب سے شرائط طے کر کے مناظرہ ہو جائے۔ ہمارے سیکرٹری تبلیغ قصور مکرم مرزا صدیق بیگ صاحب چند احباب کے ساتھ شرائط طے کرنے پادری عبد الحق صاحب کی قیام گاہ پر گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ پادری صاحب مجھے پہلے سے نہ جانتے تھے۔ ہمارے سیکرٹری صاحب تبلیغ ان سے باتیں کر رہے تھے پادری صاحب نے بڑے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ ہم تم لوگوں سے بحث نہ کریں گے سوائے اس کے کہ تم اقرار کرو کہ اخبار الفضل میں رپورٹ شائع نہ کرو گے اور یا پھر ثالث مقرر کر لو۔ میں نے سیکرٹری صاحب کے کان میں کہہ دیا کہ آپ مان لیں کہ ہم رپورٹ شائع نہیں

کریں گے آپ مباحثہ کریں۔ پادری صاحب پھر پھر گئے اور کہنے لگے کہ نہیں جی میں ایک ہی صورت تم سے مناظرہ کی ہے کہ تم ثالث مقرر کرو۔ میں نے جھٹ کہہ دیا کہ ہمیں ثالث منظور بھی ہوگا مگر ثالث وہ ہونا چاہیئے جو غیر مسیحی اور غیر مسلم ہو اور دونوں مناظروں سے بائیبل اور قرآن پاک کو زیادہ سمجھتا ہو تا اس کا فیصلہ حجت ہو سکے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ پادری صاحب میری طرف متوجہ ہو گئے۔ میں اُن دنوں دُبلا پتلا اور نو عمر طالبعلم تھا مجھے کہنے لگے کہ آپ مناظرہ کریں گے؟ میں نے کہا کہ یہ تو کوئی شرط نہیں کہ مناظرہ کون کریگا۔ مگر پادری صاحب نے تیزیٔ طبع کے ماتحت کہدیا کہ اگر آپ مناظرہ کریں گے تو میں نہیں کروں گا۔ کسی چھوٹے سے پادری کو کھڑا کر دوں گا۔ میں نے کہا کہ حق و باطل کی بات ہے شخصیتوں کا کوئی سوال نہیں ہے۔ پھر پوچھنے لگے کہ ثالث کون ہوگا؟ میں نے کہا وہ غیر مسیحی جو آپ سے زیادہ بائیبل جانتا ہو۔ اس پر غرور کے پُتلے پادری نے کہا کہ مجھ سے زیادہ بائیبل کو جاننے والا غیر مسیحی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے کہا تو پھر آپ ثالث کا سوال کیوں اُٹھاتے ہیں؟ کہنے لگے کہ احمدیوں سے تو میں مناظرہ نہ کروں گا جب تک یہ شرط نہ منوا لوں گا۔ میں نے کہا کہ اس کے معنے تو یہ ہیں کہ نہ آپ ثالث تسلیم کریں گے اور نہ آپ احمدیوں سے مناظرہ کریں گے۔ اِس دوران پادری صاحب نے اپنے عربی دان ہونے کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ میں نے جوانی کے جوش میں کہہ دیا کہ دیسی پادریوں میں سے تو کوئی عربی دان ہو نہیں سکتا۔ پادری صاحب اپنے دس پندرہ ساتھیوں کے درمیان میرا یہ جواب سُن کر آگ بگولا ہو گئے کہنے لگے "هَلْ تتكلمْ فى اللسان عربىْ" میں نے جواب دیا کہ اس ایک فقرہ نے ہی میرا دعویٰ ثابت کر دیا کہ کوئی دیسی پادری عربی نہیں جانتا۔ میں نے کہا کہ یہ فقرہ غلط ہے۔ پادری صاحب نے جھٹ فقرہ لکھا اور کہا کہ اس کا فیصلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے کرائیں گے۔ میں نے کہا منظور ہے۔ وہ کاغذ لیکر میں نے کوٹ کی اندر کی جیب میں ڈال لیا۔ پادری صاحب پھر ذرا نرمی سے پوچھنے لگے کہ اس میں کیا غلطی ہے؟ میں نے کہا کہ ایک تو هَلْ فعل مضارع پر جزم نہیں دیتا آپ نے جزم دی ہے۔ دوسرے صفت و موصوف تعریف و تنکیر میں یکساں ہوتے ہیں مگر آپ نے اللسان اور عربی میں یکسانیت قائم نہیں کی۔ فِیْ کا لفظ بھی بے موقع ہے۔ یہ سُن کر پادری صاحب نے بڑی کوشش کی کہ وہ رقعہ مجھ سے واپس لے لیں مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے مناظرہ سے صریح انکار پر مایوس ہو کر مگر اس "پہلے کامیاب تعارف" پر خوش خوش ہم گھر آ گئے۔

پادری صاحب کے چار لیکچر، ہر روز ایک لیکچر کے حساب سے، ایک احاطہ میں ہوئے۔ ردّی ڑناٹی

تقریریں ہوتی تھیں مگر ذرا ٹھاٹھ سے کیا کرتے تھے اور بعد میں سوال و جواب کا موقع ہوتا تھا۔ میرے بزرگوں اور احباب کا اصرار تھا کہ پادری صاحب سے سوال و جواب میں ہی کروں۔ چنانچہ چاروں دن خاکسار نے پادری صاحب پر جرح کی۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی تائید و نصرت شامل حال تھی کہ سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ اہلحدیثوں نے احمدیت کی شہرت کو کم کرنے کے لئے آخری دن بذریعہ تار مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو قصور میں بلایا۔ پادری صاحب پہلے تین دنوں میں اتنے تنگ ہو گئے کہ چوتھے دن انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف تقریر کرنے کا تہیہ کیا اسلئے اہلحدیث علماء کو تو سوال و جواب میں حصہ لینے کا موقع نہ ملا چاروں دن ہم نے ہی پادری صاحب پر جرح کی۔ آخری دن انہوں نے اشتعال انگیزی اور بدزبانی میں حد کر دی تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کے وعدہ اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ کا شاندار ظہور ہوا۔ پادری صاحب نہایت خراب حالت میں احاطہ سے گھر کو لوٹے اور اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نصرت کے پیش نظر حضرت مولانا راجیکی صاحب کی اقتداء میں سارے احمدیوں نے سڑک میں سجدۂ شکر ادا کیا۔

ریل گاڑی کی گفتگو

دوسرے دن ہم قصور سٹیشن سے انٹر کے ڈبے میں امرتسر کے لئے سوار ہوئے حُسنِ اتفاق سے اسی ڈبے میں مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب زندہ دل اور خوش طبع انسان تھے۔ بیٹھنے کے ساتھ ہی حضرت مولانا راجیکی رضؓ کو کہنے لگے کہ خوب موٹے ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت امام مہدی کی فوجوں کو فتوحات دے رہا ہے ہمیں خوشی ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مولانا نیّر صاحبؓ کے متعلق پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ حضرت مولانا راجیکی رضؓ نے اپنے بے تکلفانہ انداز میں فرمایا کہ اوہ! آپ ان کو نہیں جانتے یہ مولانا نیّر ہیں۔ ان کے ہاتھ پر افریقہ میں بیس ہزار آدمی مسلمان ہو چکا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے انداز میں یہ مصرع پڑھ دیا ؎ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ اس پر جھٹ مولانا نیّر رضؓ نے فرمایا ہاں المرء یقیس علیٰ نفسہ۔ مولوی سیالکوٹی بولے کہ یہ تو فقرہ ہی درست نہیں۔ قاس کا صلہ باء آتا ہے۔ میں نے فوراً صندوق سے المنجد نکال کر سامنے رکھ دی۔ قاس بہ و قاس علیہ۔ یہ ساری گفتگو خوشکن انداز میں اہل علم کے درمیان تھی۔ اتنے میں گاڑی اگلے سٹیشن تحصیل قصور پر پہنچی۔ اس جگہ پادری عبدالحق صاحب بھی آ گئے۔ انٹر کا ایک ہی ڈبہ تھا۔ پادری صاحب کے داخل ہوتے ہی

مولوی ثناء اللہ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اب خوب گزرے گی۔ میں نے موقع کو غنیمت جان کر پادری عبدالحق والا عربی کا فقرہ اعراب کے ساتھ مولوی سیالکوٹی صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو غلط ہے اسے کون صحیح کہتا ہے میں نے کہا کہ پادری صاحب اسے صحیح کہتے ہیں۔ مولوی صاحب کے جواب سے پادری صاحب کو غصہ آگیا اور مجھ پر ناراض ہوتے کہ آپ نے اسے یہاں کیوں پیش کر دیا۔ میں نے کہا کہ اس سے بہتر کونسا موقع تھا۔ پادری صاحب قابو سے باہر تو ہو ہی چکے تھے گلتیوں ۳/۱۳ پر گفتگو چل پڑی۔ کہنے لگے کہ جو یسوع کو لعنتی کہتا ہے وہ خود لعنتی ہے میں نے کہا کہ آپ کے قول کے مطابق تو پولوس بھی لعنتی ٹھہرتا ہے کیونکہ اس نے ہی اس خط میں مسیح کو لعنتی قرار دیا ہے۔ گویا یہ تثلیث لعنت کی ہے۔ گفتگو ذرا تیز ہو گئی اور آخر یہ سلسلہ بند ہو گیا اس طریق کو دو تین ہندو صاحبان نے موقف کو نہ سمجھنے کے باعث ناپسند کیا۔ مولوی ابراہیم صاحب کو اس بارے میں نہ ثالث بنایا گیا نہ بنانے کا سوال تھا نہ ان سے "فیصلہ" لینے کی ضرورت تھی وہ تو احمدیت کے شدید مخالف تھے "ڈھٹائی سے جھوٹ بولنے" کا طریق تو پادری صاحب ہی جانتے ہیں۔ گجرات کے مباحثہ کا حال بھی پادری صاحب کو معلوم ہے، جو اُن کا انجام مشن سکول کے احاطہ میں ہوا تھا اس کا انہوں نے مجھ سے بعد میں شکوہ کیا۔ حالانکہ اس میں میرا کوئی دخل نہ تھا۔ جو غلط بیانی مولوی سیالکوٹی کے مزعومہ فیصلہ کے سلسلہ میں گجراتی عیسائیوں نے کی تھی اس کا جواب اسی وقت محترم ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم ایڈووکیٹ گجرات نے ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ دے دیا تھا جو بعد ازاں الفضل میں بھی چھپ گیا تھا۔ پادری عبدالحق صاحب کو بات بگاڑنے کی عادت ہے اسی لئے میں اس پر اصرار کرتا ہوں کہ ان سے تحریری مناظرہ ہو، تاکہ وہ بعد ازاں کذب بیانی اور الزام تراشی نہ کر سکیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ انسان پادری صاحب کی زبانی غلط بیانیوں کی کہاں تک تردید کرتا جائے۔

پادری عبدالحق صاحب کو آخری جواب

پادری صاحب کو شکوہ ہے کہ "ہمارے ہی ثبوتی عقائد پر لکھنے کے لئے تو وہ ایک کے بعد دوسرا چیلنج دینے کو تیار ہیں مگر اپنے دین کے اصل الاصول یعنی قادیانی عقیدۂ توحید پر بھی مناظرہ کرنے سے کتراتے ہیں۔" جواباً گزارش ہے کہ ہر شخص اپنے عقائد کے اثبات کا ذمہ وار ہے۔ ایک عقیدہ کے اثبات کا بھی اور دوسرے عقیدہ کے اثبات کا بھی۔ اگر آپ کو الوہیت مسیح کے اثبات کے لئے چیلنج کیا گیا تو اس میں برا منانے کی کیا بات ہے؟ پھر اس سے عاجز پا کر آپ کو کہا گیا کہ چلو مسیح کی صلیبی موت پر ہی ہم سے از روئے

دلائل مناظرہ کر لو تو اس میں کونسی قباحت ہے؟ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو صاف کہہ دیں، گالیاں دینے کی کیا ضرورت ہے؟

پادری صاحب نے اپریل ۱۹۶۷ء میں اپنے اس خط کو شائع کر کے ظاہر کیا ہے کہ وہ اسلام کے عقیدۂ توحید پر تحریری بحث کرنے کے لئے تیار ہیں۔ **ہمیں ان کا یہ چیلنج منظور ہے۔** علاوہ ازیں جس جس موضوع پر وہ بحث کرنا چاہتے ہیں شریف انسانوں کی طرح ان کا باقاعدہ تعین کر لیں۔ چار ہوں یا آٹھ ہوں ہمیں بہرحال منظور ہوں گے مگر یہ ضروری ہوگا کہ جس طرح وہ ہمارے عقائد میں سے ایک یا زیادہ بحث کے لئے انتخاب کرنے کا حق رکھتے ہیں ہمیں بھی ان کے اتنے ہی عقائد انتخاب کر کے بحث کرنے کا حق ہوگا۔ امید ہے کہ پادری صاحب کے "شکوہ" کا ازالہ ہو جائیگا۔

ہمارے نزدیک بحث لازماً تحریری ہوگی اور تہذیب سے ہوگی۔ دلائل الہامی کتابوں سے بہ پیرایۂ معقولیت ہوں گے خلط مبحث کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ اگر یہ صورت پادری صاحب کو منظور ہے تو آج بھی تصفیہ ہو سکتا ہے۔

ہماری طرف سے علی الترتیب مندرجہ ذیل مضامین مقرر ہیں:-

(۱) مسیح بن مریم صرف رسول ہیں (ابن اللہ نہیں)

(۲) مسیح صلیب پر سے زندہ اترے تھے۔

(۳) موجودہ عیسائیت عالمگیر اور زندہ مذہب نہیں۔

(۴) مسیح کی آمد ثانی محض روحانی اور معنوی ہے

جتنے مضامین پادری صاحب منتخب کرنا چاہیں انکے عنوان لکھ دیں، بات طے ہو جائے گی۔ کاش پادری صاحب آخرت کی بازپرس سے ڈر کر، خدا کا خوف کرتے ہوئے شرافت سے تحقیق حق پر آمادہ ہو جائیں۔ ہمیں اُن کی ذات سے کوئی سوال نہیں ہم تو ان لاکھوں انسانوں کی ہدایت کے لئے تڑپتے ہیں جنہیں ان پادری صاحبان کے غلط استدلالات نے راہِ حق سے بھٹکا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ❖

احمدیت خالص مذہبی تحریک ہے! (بقیہ ص۲۲)

عام مسلمانوں کو بھی اس میں شریک ہونے کی اجازت ہو۔ اسکے باوجود ہم تحریری مناظرہ کے لئے بھی تیار ہیں اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ چند نکات کا نہیں پوری مرزائیت اور اس کے خدوخال کا ہے" (چٹان ۱۹ر جون)

جنابِ عالی! ہم تحقیقِ حق کیلئے تو ہر دم تیار ہیں مگر شور و شر اور ہنگامہ آرائی ہمارا شیوہ نہیں۔ ملک کا امن نہایت قیمتی چیز ہے اسلئے اگر آپ اپنے چیلنج پر تحریری مناظرہ کیلئے تیار ہوں تو ع چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ تحریری مناظرہ ذمہ دارانہ بھی ہوتا ہے اور پائدار بھی۔ بیان کردہ نکات بہتر مقدم ہونگے غلط مبحث کی اجازت نہ ہوگی۔ ہمارا جواب قائم ہے آج نہیں تو سال کے بعد ہی۔ جب حالات اجازت دیں آپ اُسوقت تحقیق کر سکتے ہیں مگر نیت بخیر باشد۔ وما علینا

احمدیت خالص مذہبی تحریک ہے

الفرقان کی اشاعت جون ۶۷ء میں ہم نے ایک مقالہ "آسمانی تحریکات اور معاندین کا رویہ" شائع کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے ابتدا سے ہی انبیاء کے مخالف ان کی خالص دینی تحریک کو "سیاسی مسئلہ" ٹھہرا کر عوام کو برانگیختہ کرتے رہے ہیں۔ آیات قرآنیہ اور حقائق تاریخیہ سے اس حقیقت کو مبرہن کیا گیا ہے۔

احمدیت ایک آسمانی تحریک ہے مگر معاندین مذہبی رنگ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ اس کے عقائد کو دلائل سے رد نہیں کر سکے۔ اس کے براہین کا جواب نہیں دے سکے اسلئے انہوں نے سراسر جھوٹے طور پر احمدیہ تحریک کو سیاسی مسئلہ کا نام دیکر عوام کو گمراہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں مدیر چٹان جناب شورش کاشمیری کے تازہ بیان کے چھ نکات کی نشان دہی کر کے ان کے اس چیلنج کو قبول کر لیا تھا کہ کوئی احمدی مجھ سے ان امور پر مناظرہ کر لے۔

ہمارے اس مقالہ کی اشاعت پر شورش صاحب کا ناراض ہو کر ہمیں گالیاں دینا تو ان کی عادت کا نتیجہ تھا ہمیں اسکی پرواہ نہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ کوئی شخص سنجیدگی سے احمدیہ تحریک کے بارے میں تحقیق کرنیوالا ہو۔ وہ ہر اعتراض کرے مگر نیک نیتی سے۔ اور جب اسے قرآن و حدیث سے صحیح جواب مل جائے تو اسے قبول کرلے۔

شورش صاحب نے ہمارے مقالہ کا ذکر کرتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ:-

"ابوالعطاء صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا مکمل جواب تو شمارۂ آئندہ پر اٹھا رکھتے ہیں" (چٹان ۱۹ر جون ۶۷ء)

ہم منتظر تھے کہ شورش صاحب کس "شمارۂ آئندہ" میں الفرقان کے براہین کا "مکمل جواب" دیتے ہیں مگر آج ۷ر اگست ۶۷ء کا چٹان بھی آچکا ہے لیکن ہمارے بیان کا مکمل جواب چھوڑ ناقص جواب بھی کسی شمارہ میں نہیں آیا۔ گویا شورش صاحب کا "شمارۂ آئندہ" نہ ہوا "مواعید عرقوب" ہو گیا۔

ہم نے ہر قسم کے شور و شر سے بچنے کے لئے ان کے پیش کردہ نکاتِ ستہ پر تحریری مناظرہ کیلئے لکھا تھا۔ شورش صاحب نے ۱۹ر جون کے چٹان میں چلتے چلتے اس پر ارشاد فرمایا تھا کہ:-

"ابوالعطاء صاحب نے اپنے ویاکھیان کے آخر میں ہمیں تحریری مناظرہ کا چیلنج دیا ہے۔ اول تو یہ تحریری مناظرہ خوب ہے آمنے سامنے کیوں نہیں؟ کھل کے آیئے مسلمانوں کے شہر دلی میں نہیں تو ہم ربوہ میں آنے کیلئے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہوگی کہ

حضرت مولانا شیخ عبدالقادر مرحوم مربّی سلسلہ احمدیہ کے سوانح حیات

(محترم جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی حال لاہور کے قلم سے)

حضرت مولانا شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ اپنی گوناگوں خصوصیتوں، اپنے بہترین اخلاق، اپنی ذاتی خوبیوں، اپنی دینی معلومات، اپنی مذہبی واقفیت اور اپنی اعلیٰ تبلیغی اور تصنیفی قابلیتوں کے باعث جماعت کے ایک ممتاز بزرگ تھے۔ جو ۱۰ ر نومبر ۱۹۶۶ء کو ہم سے جُدا ہو گئے مگر اپنی مومنانہ اور مخلصانہ صفات کا گہرا نقش ہمارے دلوں پر چھوڑ گئے۔

آپ کے اخلاق و عادات، آپ کی صفاتِ حسنہ، آپ کا دینی اخلاص، آپ کی دینی واقفیت آپ کی اسلامی خدمات اور آپ کی بے ریا اور خاکسارانہ زندگی کے بہت سے واقعات سلسلہ کے اخباروں اور رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ جن سے ناظرین کرام نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہت سے سبق سیکھ سکتے ہیں۔ میں اس مضمون میں آپ کے سوانحی حالات و کوائف، آپ کی تبلیغی مساعی کی کچھ کیفیت اور آپ کی بیش قیمت تالیفات و تصنیفات کی تفصیل قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سیرت اور حالاتِ زندگی مل کر حضرت مولانا مرحوم کی مکمل سوانح عمری مرتب ہو سکتی ہے۔ اگر مرحوم کے صاحبزادگان میں سے کوئی اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے اور حضرت مولانا کی مفصل سوانح عمری شائع کر دے تو یہ احمدیت کے ایک **مخلص مبلغ** کی ایک بہترین یادگار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کی توفیق دے۔ آمین

کتنی عجیب یہ بات ہے کہ احمدیت کا یہ **نامور فرزند ایک کھتری گھرانہ میں پیدا ہوا۔** والدین، رشتہ داروں اور عزیزوں کو کیا پتہ تھا کہ جس معصوم بچے کو ہم پال پوس کر پروان چڑھا رہے ہیں وہ ایک دن سب کو چھوڑ کر اسلام کی

آغوش میں چلا جائے گا۔ اور گنگا سے نکل کر لبِ کوثر پر پہنچ جائے گا۔ خیر و برکت اور رشد و ہدایت خدا کے فضل ہی سے ملتی ہے اور خدا جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے نوازتا ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ بہت پیچھے آنے والے آگے نکل جاتے ہیں، بہت آگے رہنے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس مقولہ کے مصداق پورے طور پر شیخ صاحب مرحوم تھے۔ وہ سلسلہ احمدیہ میں بہت بعد میں داخل ہوئے لیکن اپنے اخلاص و ایمان کی بدولت بہتوں سے آگے نکل گئے۔ وہ سلسلہ کے معروف عالم، اسلام کے کامیاب مبلغ اور احمدیت کے نامور مصنف تھے۔ جو اہم، ضروری اور مفید کتابیں انہوں نے نہایت تحقیق و تلاش کے بعد مرتب کیں وہ اُن کے نام کو عزت کے ساتھ زندہ رکھیں گی۔

اگست ۱۹۰۹ء کی پندرہ تاریخ تھی جب احمدیت کا یہ روشن ستارہ ضلع سرگودھا کے ایک موضع بنام گورنہ پٹھاناں میں لالہ وزیر چند کے ہاں طلوع ہوا۔ گھر میں اور خاندان میں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور نومولود کا نام سوداگر مل رکھا گیا۔ مطلب یہ تھا کہ ہمارا یہ بچہ بڑا ہو کر اچھا بیوپاری اور مشہور سوداگر ہو۔ قسمت کھڑی مسکرا رہی تھی کہ یہ بچہ سوداگر تو بے شک بنے گا مگر ایمان کی بے بہا دولت مفت بانٹنے کا۔ قیمتاً کسی کو نہیں دے گا۔

بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور والدہ بیٹوں کو لے کر ضلع گوجرانوالہ کے گاؤں ذخیرہ بیرانوالہ میں چلی گئی جہاں بچوں کے ماموں ساہوکارہ کا کاروبار کرتے تھے۔

اس عرصہ میں شیخ صاحب مڈل پاس کر چکے تھے اور آئندہ تعلیم کا خیال چھوڑ کر کسی کاروبار کی فکر میں تھے تاکہ روزی کا سامان ہو اور گھر کا گزارہ چلے۔ مگر شیخ صاحب کی وہی مثال ہوئی کہ ؎

من درچہ خیالم فلک درچہ خیال
کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

وہ لڑکا جو ایک ساہوکار اور مہاجن بننے کی فکر کر رہا تھا قدرت نے اُس کو اسلام کی بیش بہا دولت عطا فرمائی اور اس دولت کو اُس نے نہایت فیاضی کے ساتھ آگے مفت تقسیم کیا اور برابر کرتا رہا، یہاں تک کہ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو گیا۔

قدرت کے کھیل نیارے ہیں اور خلاقِ عالم کے عجائبات کو کون شمار کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے لالہ سوداگر مل کے اس گاؤں میں آنے سے پہلے ہی ایک پاک نفس اور پُرجوش احمدی میاں محمد مراد کو بحیثیت تاجر یہاں لا بسایا۔

گاؤں میں میاں محمد مراد کی دُکان ایک زبردست دار التبلیغ کا کام دے رہی تھی۔ میاں صاحب تاجر کم اور مبلغ زیادہ تھے۔ ہر وقت اُن کی دُکان پر گاؤں کے لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔

اور میاں صاحب سارا دن اور رات گئے تک بڑی محبت، نہایت نرمی اور ہمہ شفقت کے ساتھ آنے جانے والوں کو تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ شیخ صاحب کا بھی آنا جانا اُن کی دکان پر ہو گیا اور تھوڑے دنوں کی نشست و برخاست کے بعد ہی دونوں کے تعلقات بہت دوستانہ ہو گئے مگر اس تمام عرصہ میں اسلام کا کوئی بھی اثر شیخ صاحب نے قبول نہ کیا کیونکہ بہت کٹر ہندو تھے۔ اور کسی قیمت پر بھی اپنا قدیم مذہب چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جب کبھی میاں صاحب ان کو اسلام کی تبلیغ کرتے تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ "میاں صاحب! آپ مجھے ناحق اسلام کی طرف بُلا رہے ہیں، آپ یقین رکھیں کہ اگر بفرضِ محال ساری دنیا بھی مسلمان ہو جائے تب بھی سود اگر مل کبھی مسلمان نہیں ہو گا۔ ہندو مت کی فوقیت اسلام پر اس سے ظاہر ہے کہ تم تو ہمارے ہاتھ سے ہر چیز لے کر کھا پی لیتے ہو لیکن ہم ہندو لوگ تمہارے ہاتھ سے کچھ لیکر کھانے پینے کو مہاپاپ سمجھتے ہیں کیونکہ ہم تمہیں ناپاک اور ملیچھ سمجھتے ہیں"

میاں صاحب ہنس کر شیخ صاحب کی تقریر کا یہ جواب دیا کرتے کہ ؎

جس کی فطرت نیک ہے آئیگا وہ انجام کار

اِسی طرح دن اور رات، دن اور ہفتے، مہینے اور سال گزرتے رہے اور دونوں کی مذہبی گفتگو ہوتی رہی مگر شیخ صاحب جوں کے توں رہے اور میاں صاحب کی کوئی بھی دلیل اُن کو بُتوں کے آگے جُھکنے اور شوالوں میں سجدہ کرنے سے روک نہ سکی، یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء آ گیا۔ اب قدرت نے ایک اَور تدبیر کی جس سے تقدیر کے پانسے پلٹ گئے اور پچھلی جون کا سود اگر مل نئی جون میں عبدالقادر بن گیا۔

ہوا یوں کہ ان ہی ایام میں میاں محمد مراد صاحب سالانہ جلسہ پر قادیان جاتے ہوئے گاؤں کے ایک مصلّی اللہ جوایا کو اپنے ہمراہ لے گئے تاکہ اس کے دل پر کچھ اثر ہو اور وہ احمدیت کو قبول کر لے۔ مگر واقعہ یہ ہوا کہ قادیان سے واپس آ کر اللہ جوایا نے عام طور سے گاؤں میں کہنا شروع کر دیا کہ قادیان میں سوائے فریب، مکر اور دغابازی کے کچھ بھی نہیں۔ دینداری اور اسلام کا فقط ڈھونگ رچا رکھا ہے اور وہاں دکانداری کا بازار گرم ہے نیکی اور پاکبازی نام کو بھی نہیں۔

گاؤں کے لوگ خوش ہو ہو کر اللہ جوایا کی باتیں سُنتے اور اپنے پاس بٹھا کر گھنٹوں اُس سے قادیان کے حالات پوچھتے اور وہ جھوٹی سچی کہانیاں گھڑ کر لوگوں کو سُنا دیا کرتا تھا۔ اب سارے گاؤں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ قادیان والے محض دکاندار ہیں، اللہ جوایا وہاں کی حالت خود دیکھ کر آیا ہے، وہ کیوں جھوٹ بولتا؟ شیخ صاحب

بھی یہ ساری باتیں سنتے مگر نہ معلوم کیوں اُن کو یقین نہ آتا کہ اللہ جوایا سچ بول رہا ہے۔ آخر ایک روز انہوں نے اُسے تنہائی میں رات کے وقت اپنی دُکان پر بُلا کر پُوچھا کہ سچ سچ بتا تُو نے قادیان میں کیا دیکھا؟ اگر وہاں سارے ہی ٹھگ باز بستے ہیں تو میاں محمد مراد ایسا نیک اور شریف انسان کیوں ہے۔ یہ بھی ویسا ہی چالباز، عیّار اور مکّار ہوتا جیسا تُو قادیان والوں کو بیان کرتا ہے؟ مجھے تیری یہ بات ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ جو کچھ تُو نے وہاں دیکھا ہے سچ سچ مجھ سے بیان کر دے۔ اِس وقت ہم دونوں اکیلے ہیں اور کوئی بھی ہمارے پاس نہیں، نہ کوئی ہماری بات سُن رہا ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ شیخ صاحب کی گفتگو کا اللہ جوایا پر اتنا اثر ہُوا کہ وہ بے اختیار ہو کر کہنے لگا کہ "لالہ سوداگر مل! سچی بات تو یہ ہے کہ مَیں نے قادیان سے آکر ایک بات بھی سچی نہیں کہی۔ حقیقت یہ ہے کہ مَیں نے تو وہاں ایسے ایسے مہاپُرش دیکھے ہیں کہ اُنہیں دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا۔ نہایت خوش اخلاق، نہایت ملنسار، نہایت ہمدرد اور نہایت ہی دیندار۔ جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بڑی محبّت سے السلام علیکم کہتے ہیں۔ نہایت باقاعدہ طور پر پانچوں وقت نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی مسجدیں نمازیوں سے بھری رہتی ہیں۔ مَیں نے وہاں کسی احمدی کو کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ہر ایک سے بڑی مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ ایماندار تو ایسے ہیں کہ ساری دنیا میں کوئی اَور نہ ہوگا۔ ہم ایک دکاندار کے ہاں چائے پینے گئے میزوں پر طرح طرح کی چیزیں مٹھائیاں، پھل، بسکٹ، کیک طشتریوں اور رکابیوں میں رکھے تھے جو جس کا جی چاہے کھائے پیئے۔ نہ کوئی روک ٹوک تھی نہ کوئی محافظ تھا۔ ہم نے بھی کچھ پھل اور کچھ بسکٹ کھائے۔ دو پیالیاں چائے کی پی۔ جب دکاندار کے پاس پیسے دینے مراد صاحب گئے تو دکاندار نے صرف اتنا پوچھا کہ "آپ نے اور آپ کے ساتھی نے کیا کیا کھایا ہے؟" جو کچھ مراد صاحب نے بتایا اُس کا حساب کر کے دکاندار نے پیسے لے لئے اور ہم چلے آئے۔ مَیں نے دیکھا کہ سارے ہی گاہکوں سے دکاندار اسی طرح پیسے وصول کر رہا تھا اور کسی سے لڑتا جھگڑتا بالکل نہ تھا۔ جو کچھ کسی نے بتلا دیا خاموشی کے ساتھ دکاندار نے قبول کر لیا اور اُتنے ہی پیسے لے لئے۔ مجھے تو یہ دیکھ کر بڑا ہی تعجب ہُوا۔"

شیخ صاحب نے کہا "کم بخت! جب تُو نے وہاں ایمانداری اور اخلاق و مروّت کے ایسے اچھے نمونے دیکھے تھے تو یہاں آکر اُن لوگوں میں کیڑے کیوں ڈالنے شروع کئے؟ اور کیوں اُن کی بُرائیاں کیں؟ اِس جھوٹ سے تجھے کیا فائدہ ہُوا؟"

اللہ جوایا نے کہا "لالہ سوداگر مل! تم ابھی جوان ہو۔ تمہیں کیا پتہ۔ مَیں اِس گاؤں کا کمین ہوں۔ اگر سچی بات کہہ دیتا تو گاؤں کے زمیندار مجھے اتنے

جُوتے مارتے کہ میرا بھیجا پلپلا ہو جاتا۔ تم نے تنہائی میں مجھ سے یہ بات پوچھی اور مَیں نے سچ سچ بتا دی۔ اگر کل کو گاؤں والوں کے سامنے مجھ سے پوچھو گے تو مَیں صاف مُکر جاؤں گا اور وہی کہوں گا جو آج تک گاؤں والوں سے کہہ رہا ہوں۔"

قادیان کے لوگوں کی اللہ دِتا نے کچھ اِس ڈھنگ سے تعریف کی کہ بے اختیار شیخ صاحب نے ارادہ کر لیا کہ خود قادیان چل کر دیکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ کیسے ہیں۔

ساری رات شیخ اسی اُدھیڑ بُن میں رہے اور صبح ہوتے ہی اپنے دوست میاں محمد مراد کے پاس اُن کی دُکان پر پہنچے اور رات کا سارا واقعہ بیان کر کے کہنے لگے کہ مَیں تو ابھی قادیان جا رہا ہوں تاکہ خود جا کر دیکھوں کہ وہ لوگ کیسے ہیں۔ میاں محمد مراد صاحب نے کہا کہ ٹھہرو مَیں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں تم ناواقف آدمی ہو اکیلے کہاں جاؤ گے۔

اس کے فوراً بعد دونوں قادیان کے لئے روانہ ہو گئے۔ لاہور پہنچ کر رات کو حکیم محمد حسین صاحب موجد مفرح عنبری کے ہاں قیام کیا جن سے میاں محمد مراد کے پُرانے تعلقات تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کی پُر وقار شخصیت اور اُن کی نہایت دل نشین اور شیریں گفتگو کا اثر شیخ صاحب پر بے انتہا ہوُا۔ ایسے پاک باطن اور نیک سیرت بزرگ بھلا شیخ صاحب نے کہاں دیکھے تھے۔ شیخ صاحب اپنی آخری کتاب "لاہور کی تاریخ احمدیت" میں حکیم صاحب مرحوم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جب حضرت حکیم صاحب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک فرشتہ نماز پڑھ رہا ہے۔"

خیر شیخ صاحب میاں محمد مراد کے ہمراہ لاہور سے چل کر قادیان پہنچے اور وہاں تین چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کیا مگر میاں محمد مراد سے یہ بات صاف طور پر کہہ دی کہ اگرچہ مَیں تمہارے ساتھ قادیان چلا آیا ہوں مگر اپنا مذہب اور اپنا مسلک اپنے ساتھ لایا ہوں۔ مَیں کسی مسلمان کے ہاں کا کھانا نہیں کھا سکتا۔ اگر کسی ہندو کے ہاں میرے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا تو مَیں ابھی واپس جانے کے لئے تیار ہوں۔

میاں محمد مراد نے مہمانخانہ مسیح موعودؑ کے منتظم حضرت میر محمد اسحٰق رضی اللہ عنہ سے اِس امر کا ذکر کیا اور انہوں نے بڑی ہی خندہ پیشانی کے ساتھ شیخ صاحب کے کھانے کا انتظام ایک مقامی ہندو کے ہاں کرا دیا۔

میاں محمد مراد نے شیخ صاحب کو اُس وقت کے تمام اکابر اور مشاہیر سے ملایا خصوصاً اُن اصحاب سے جو سکھوں اور ہندوؤں سے مسلمان ہوئے تھے اور اب جماعت احمدیہ کے معزز افراد تھے۔ ان لوگوں نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ شیخ صاحب کو اپنے اسلام لانے کے ایسے ایسے ایمان افروز اور عجیب واقعات سُنائے کہ شیخ صاحب کی کایا پلٹ گئی اور اُن کو نظر آ گیا کہ وہ اب تک گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو انسان کو اطمینانِ کامل بخش سکتا ہے اور اسی مذہب کی

پیروی انسان کی نجات کا موجب ہو سکتی ہے۔

ان بزرگوں سے بار بار ملاقات کے نتیجہ میں اور قادیان کی عام دینی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرتے ہوئے شیخ صاحب کے دل پر خاص اثر ہوا۔

اُس وقت کے قادیان کے نہایت پاکیزہ ماحول کا ایک مرتبہ شیخ صاحب نے خود نہایت ہی عمدگی اور روانی کے ساتھ ان الفاظ میں نقشہ کھینچا تھا:-

"اُن ایام میں قادیان کی فضا عجیب قسم کی تھی۔ ہر چھوٹا بڑا اسلام پر جان و دل سے قربان نظر آتا تھا۔ سحری کے وقت لوگ تہجد کے لئے اُٹھ کر مساجد میں جاتے، قرآن کریم اور احادیث کی دعائیں اُن کی زبان پر ہوتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشعار سے فضا گونج اُٹھتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اس کثرت سے پڑھا جاتا کہ میں حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا۔ کچھ دیر کے بعد جو فجر کی اذانیں شروع ہوتیں تو ایک عجیب سماں بندھ جاتا۔ فجر کی نماز کے بعد ہر مسجد میں قرآن کریم کا درس ہوتا۔ درس سُن کر جب لوگ واپس اپنے گھروں میں پہنچتے تو ہر شخص قرآن کریم لے کر بیٹھ جاتا اور تلاوت شروع کر دیتا ہر گھر سے اس کے پڑھنے کی آوازیں آتیں۔ گاڑیبان، یکہ بان، معمار، مزدور، باورچی، دانے بھوننے والی اور روٹی پکانے والی عورتوں تک کی زبان سے قرآن کریم کی آیات سُننے میں آتیں۔ میں نے بارہا حجاموں کو قرآن کریم کی آیتیں پڑھتے سُنا ہے۔

اللہ! اللہ! وہ زمانہ کیسا عجیب تھا۔ حضرت خلیفہ ثانی پر جوانی کا عالم تھا۔ صحت نہایت اچھی تھی۔ جب آپ نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو عاشقان زار پر ایک عجیب وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز کرتے کرتے مخلصین کی چیخیں نکل جاتیں۔ میرا یہ عالم تھا کہ مجھے نماز تو آتی نہیں تھی مگر میں ہندو ہونے کی حالت میں بھی میاں محمد مراد کے ساتھ برابر مسجد مبارک میں نمازوں کے اوقات میں جاتا اور پہلی صف میں نمازیوں کے درمیان بیٹھ جاتا اور اس سارے نظارے کو بچشم خود دیکھتا۔

اُن ایام میں حضرت اقدسؓ کا یہ معمول تھا کہ آپ عصر کی نماز کے بعد مسجد مبارک ہی میں احباب کے درمیان رونق افروز ہوتے اور مغرب تک تشریف فرما رہتے۔ اسی اثناء میں حضور پُر نور کی خدمت میں حاضرین میں سے بعض لوگ اپنی مشکلات

کا ذکر کرکے دعا کی درخواست کرتے مسائل دریافت کرتے تبلیغی میدان میں پیش آمدہ سوالات کو پیش کرکے اُن کے جوابات معلوم کرتے اور بعض اوقات پرائیویٹ سیکرٹری صاحب بھی باہر سے آمدہ خطوط پڑھ کر سناتے اور حضرت اقدس مجمع میں ہی جوابات لکھوا دیتے اور ایسے ایسے مشکل اور پیچیدہ مسائل کو نہایت آسان اور عام فہم الفاظ میں حل فرماتے کہ حاضرین کی زبانوں سے بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ نکل جاتا۔

اُن ایام میں حضور پُرنور کی مجلس کا نظارہ بھی عجیب قسم کا تھا۔ حضور کے مسجد میں تشریف لانے سے قبل مسجد نمازیوں سے بھر جاتی تھی اور لوگوں پر اسقدر خشیت اللہ طاری ہوتی کہ مسجد میں سوائے تسبیح و تحمید اور استغفار کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جب حضور پُرنور مسجد میں تشریف لاتے تو ایک سناٹے کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ لوگوں کی نظروں کا مرکز صرف اور صرف ایک ہی وجود ہوتا۔ جب تک حضورؓ نماز پڑھانے میں مشغول رہتے یا نماز کے بعد احباب میں تشریف فرما ہوتے تو سوائے حضورؓ کے اور کسی متنفس کی آواز سُننے میں نہیں آتی تھی۔ لوگ حضورؓ کے کلمات طیبات سُننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔"

(تابعین اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۳۲-۳۳)

قادیان میں آٹھ روز قیام کے بعد حضرت امیرالمومنین کے پُرمعارف ارشادات و خطبات اور قادیان کے پاکیزہ ماحول نے شیخ صاحب کے دل کو بے حد متاثر کیا۔ آپ نے آٹھویں روز بیعت کرلی اور ہندو مذہب کو ترک کرکے اسلام کے سایہ میں پناہ ڈھونڈلی۔ اب لالہ سوداگر مل کا نام شیخ عبدالقادر تھا۔ یہ فروری ۱۹۲۳ء کی بات ہے۔

اپنی بیعت کا ایمان افروز واقعہ جناب شیخ صاحب مرحوم نے ان الفاظ میں بیان کیا:-

"اللہ! اللہ! وہ نظارہ بھی کیسا عجیب تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے (بیعت کے وقت) میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ آپ بیعت کے الفاظ ارشاد فرماتے اور مَیں اُن الفاظ کو دُہراتا جاتا تھا۔ گناہوں سے توبہ کرنے کا (پُورا) احساس دل میں (نہایت درجہ) تھا (اُس وقت میری حالت یہ تھی کہ) سردی کے موسم میں جسم پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا۔ اور روح عالم بالا میں پرواز کر رہی تھی۔ ایک نئی زمین تھی جس پر مَیں قدم رکھ رہا تھا اور ایک نیا آسمان تھا جو میرے سر پر سایہ فگن

تھا۔ غرض ایک عجیب کیفیت تھی جو مجھ پر
طاری تھی۔ مختصر یہ کہ وہ ایسا سماں تھا جسے
میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ خدا
خدا کر کے بیعت کے الفاظ ختم ہوئے
تو حضرت صاحب نے حاضرین سمیت
میری استقامت فی الدین کے لئے دُعا
کی۔" (تابعین اصحاب احمد جلد اول ص۳۴)

یہاں یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر جب گاؤں میں سوداگر مل اور میاں محمد مراد یک دفعہ ہی غائب ہو گئے تو شیخ صاحب کے رشتہ داروں اور گاؤں کے ہندوؤں نے طبعاً یہ خیال کیا کہ محمد مراد نوجوان سوداگر مل کو اغوا کر کے قادیان لے گیا ہے۔ وہ تھانہ میں پہنچے اور تھانیدار سے کہا کہ گاؤں کا ایک مسلمان ہمارے بچے کو بہکا کر قادیان لے گیا ہے پولیس کے ذریعہ سے ہمارا بچہ دلوایا جائے اور محمد مراد پر اغوا کا مقدمہ قائم کیا جائے۔ تھانیدار نے اُن لوگوں سے کہا کہ اگر تمہارے بچے کو کوئی شخص قادیان کے علاوہ اور کہیں لے جاتا تو ہم ایڑی سے چوٹی تک کا زور اُس کو واپس لانے میں لگا دیتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ قادیان سے تمہارے لڑکے کو واپس لانا ہمارے بس کی بات نہیں۔

اس پر شیخ صاحب کے خاندان کے آٹھ سات آدمی بطور خود قادیان آئے اور بڑے اصرار سے شیخ صاحب سے واپس گھر چلنے کے لئے کہا۔ مگر شیخ صاحب تو نہایت سچے دل سے وطن، قوم اور مذہب کو چھوڑ چکے تھے واپس کس طرح جاتے، صاف انکار کر دیا۔ ہر چند عزیزوں نے منت سماجت کی اور پندرہ بیس دن تک کرتے رہے مگر شیخ صاحب پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مایوس اور مجبور ہو کر واپس چلے گئے اور شیخ صاحب نہایت شوق کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ انجمن کی حالت اُس وقت کمزور تھی اسلئے آپ کو تعلیم جاری رکھنے کے لئے بہت ہی قلیل وظیفہ ملتا تھا۔ مگر آپ نے کمال صبر و قناعت کے ساتھ اُسی قلیل وظیفہ میں اپنا گزارہ کیا اور نہایت انہماک تندہی اور شوق کے ساتھ حصول تعلیم میں مشغول رہے یہاں تک کہ ۱۹۳۱ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیا۔

دَورانِ تعلیم میں جب ایک مرتبہ ۱۹۲۳ء میں مدرسہ احمدیہ میں موسم گرما کی تعطیلات ہوئیں تو شیخ صاحب اپنی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے اپنے گاؤں بھی گئے تھے۔ تمام گاؤں والوں نے جمع ہو کر آپ کو طرح طرح سے سمجھایا اور مختلف لالچ بھی دیئے۔ علاوہ ازیں دھمکیاں بھی دیں۔ غرض یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح اسلام چھوڑ کر اپنے آبائی دین میں واپس آجائیں لیکن مذہب اسلام کی سچائی و حقانیت کا جو گہرا نشہ قادیان کی تعلیم، صحبت اور ماحول نے آپ پر چڑھا دیا تھا اُسے کوئی بھی ترشی اُتار نہ سکی بلکہ وہ نشہ دن بدن زیادہ ہی ہوتا چلا گیا اور رشتہ داروں کی کوئی بھی سعی و کوشش اور لالچ دھمکی شیخ صاحب کو جادۂ حق سے منحرف

نہ کرسکی۔ وہ چٹان کی طرح اپنے عقیدہ پر قائم رہے اور بڑی پامردی کے ساتھ ان مشکلات، تکالیف اور مصائب کا کامیاب مقابلہ کرتے رہے جو اس راہ میں ان کو پیش آتی رہیں۔

یہ سب کچھ تھا مگر شیخ صاحب کی نیکی، پاکبازی اور طہارت سے اُن کے بھائی اور دیگر رشتہ دار اس درجہ متاثر تھے کہ اگر ملک تقسیم نہ ہوجاتا تو یقین تھا کہ اُن میں سے اکثر شیخ صاحب کے نیک نمونہ کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے۔ تقسیم ملک کے بعد ان کے قبیلے کے تمام افراد جن کی تعداد دو سَو کے قریب تھی اپنے گاؤں سے نکل کر پانی پت چلے گئے۔ پھر اُن کی کوئی خبر معلوم نہ ہوسکی۔

ابھی آپ جامعہ احمدیہ میں پڑھ ہی رہے تھے کہ ایک نومسلم شیخ عبدالرب مرحوم لائل پور نے اپنی صاحبزادی سلیمہ بیگم کا رشتہ حسب الارشاد حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ شیخ صاحب سے کر دیا اور مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد رخصتانہ بھی ہوگیا۔ پانچ سال تک دونوں کا تمام خرچ اُن کے محترم خسر نے بڑی فراخدلی سے اُٹھایا۔ یہ شادی آپ کے لئے نہایت مبارک ثابت ہوئی اور آپ نے اپنی تمام ازدواجی زندگی پُورے امن و سکون کے ساتھ گزاری۔

چونکہ شروع ہی سے خدمتِ دین شیخ صاحب کا واحد مقصد تھا اسلئے مولوی فاضل ہونے کے بعد آپ نے اپنی زندگی اشاعتِ اسلام کے لئے وقف کر دی۔ مزید ٹریننگ کے لئے آپ نے مبلغین کلاس قادیان میں داخلہ لے لیا جس کے پرنسپل اُس وقت حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب جیسے فاضل انسان تھے اور وہاں حضرت میر محمد اسحٰق جیسے جید عالم اور حضرت مولانا محمد اسماعیلؓ حلالپوری جیسے بے نظیر انسان آپ کے استاد تھے۔ جن کی لیاقت، قابلیت، دینداری اور اخلاق سے شیخ صاحب نے پورا پورا حصہ لیا۔ دسمبر ۱۹۳۲ء میں مبلغین کلاس سے فارغ ہوئے اور امتحان میں اوّل نمبر پر کامیاب ہوئے۔

بعد میں آپ نے ۱۹۳۹ء میں میٹرک اور ۱۹۴۲ء میں ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔

مبلغین کلاس پاس کرنے کے بعد آپ سب سے پہلے حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ کی زیر نگرانی لائل پور میں بحیثیت مبلغ تعینات کئے گئے جہاں سے تین چار ماہ کی عملی تربیت کے بعد آپ کا تبادلہ کراچی کا ہوگیا۔ اس سے پہلے نہ کراچی میں کوئی دارالتبلیغ قائم تھا اور نہ کوئی احمدی مبلغ باقاعدگی سے وہاں زیادہ عرصہ رہا تھا۔ آپ کراچی کے پہلے باقاعدہ مبلغ تھے اور آپ ہی کے زمانہ میں وہاں دارالتبلیغ بھی باقاعدہ قائم ہوا جو اب تک نہایت شان کے ساتھ جاری ہے۔

آپ ہی کے زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پہلی مرتبہ کراچی تشریف لے گئے۔ اس موقع پر یہ شرف بھی آپ کو حاصل ہوا کہ حضرت صاحب کراچی میں آپ ہی کے کمرہ میں ٹھہرے۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر بدر الدین احمد

مرحوم ایم۔بی۔بی ایس جماعت کراچی کے صدر تھے۔

جب دوسری مرتبہ حضرت صاحبؓ کراچی تشریف لائے تب بھی شیخ صاحب کراچی ہی میں متعین تھے۔ اُس وقت کا ایک عجیب اور سبق آموز واقعہ شیخ صاحب ہی کی زبان سے سُنیے۔ فرماتے ہیں:۔

"جب حضرت صاحب کراچی تشریف لیجایا کرتے تھے تو سمندری سیر بھی ضرور کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اِس دفعہ جب ہم کراچی بندر سے منوڑہ جانے کے لئے ایک موٹر لانچ پر سوار ہوئے تو حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے ایک چنے بیچنے والے سے کچھ چنے خرید لئے۔ آپ کا خیال تھا کہ سمندر میں ذرا آگے چل کر میں یہ چنے سب احباب میں تقسیم کرونگا اور سیر کے دَوران میں چنے کھانے سے سب لطف اندوز ہوں گے۔ ابھی موٹر لانچ ساحل سمندر سے جدا ہی ہوئی تھی کہ حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ چنے کسی ہندو سے خریدے ہیں یا مسلمان سے؟ صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ یہاں ہندو مسلمان سب یکساں نظر آتے ہیں۔ میرے لئے تو یہ تمیز کرنا مشکل ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا میرا بھی دل چنے خریدنے کو چاہتا تھا مگر مَیں نے سب پر نظر ڈال کر دیکھا چنے بیچنے والے تمام ہندو ہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ حضور کا یہ فرمانا تھا کہ صاحبزادہ صاحب نے سارے چنے سمندر میں پھینک دیئے (اُن ایام میں ہندوؤں کی چھوت چھات کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ تحریک چلائی تھی کہ جب ہندو ہمارے ہاتھ کی چیزیں نہیں کھاتے تو ہم اُن کے ہاتھ کی چیزیں کیوں کھائیں۔)"

۱۹۴۰ء میں آپ کا تبادلہ پھر لائل پور کا ہو گیا۔ لائل پور کے مرکز میں اُس وقت ضلع لائلپور کے علاوہ شیخوپورہ، جھنگ اور سرگودھا کے اضلاع بھی شامل تھے اور شیخ صاحب کو بحیثیت مبلغ اس تمام وسیع علاقہ کا دَورہ کرنا پڑتا تھا۔ اس کام کو آپ نے بڑی خوش اسلوبی اور تندہی سے انجام دیا۔

۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں آپ کا تبادلہ لائل پور سے لاہور کا ہو گیا۔ یہاں آپ نے اَن تھک محنت کے ساتھ تبلیغی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو آپ لاہور ہی میں تعینات تھے۔

پاکستان بننے کے ایک سال بعد اکتوبر ۱۹۴۸ء میں لاہور سے آپ کا تبادلہ سرگودھے کا ہو گیا۔ یہاں غیر احمدیوں میں تبلیغ اور احمدیوں کی تربیت آپ نے بڑی خوبی سے کی۔

۱۹۵۱ء میں آپ کو ایک بہت اہم دینی غرض کے لئے مرکز (ربوہ) میں بُلا لیا گیا یہاں مہتمم نشر و اشاعت کے طور پر آپ کا تقرر ہوا اور مقدور الہ

رسالہ "التبلیغ" کی ادارت آپ کے سپرد کی گئی۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام تھا جسے حضرت مولانا نے نہایت لیاقت اور قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔

۱۹۵۲ء میں آپ کا تبادلہ ربوہ سے شیخوپورہ کا ہو گیا اور "التبلیغ" جو بہت ہی مفید کام کر رہا تھا بند ہو گیا۔ "التبلیغ" نے (جتنے دنوں وہ جاری رہا) تبلیغ اور نشرِ احمدیت میں نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں جن کا تذکرہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔

۱۹۵۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے خاص ارشاد کی تعمیل میں آپ کا تبادلہ شیخوپورہ سے لاہور کا کر دیا گیا مگر آپ لاہور آ کر شیخوپورہ کے ضلع کی بھی تبلیغی نگرانی نہایت مستعدی سے کرتے رہے مہینے میں کچھ دن لاہور میں گزارتے اور کچھ دن شیخوپورہ میں۔ یعنی اب دو ضلعے آپ کے چارج میں تھے اور دگنا کام آپ کو کرنا پڑتا تھا۔ مگر نہ آپ کام کی زیادتی کی وجہ سے گھبرائے نہ کسی قسم کی کوئی شکایت کی بلکہ دلی ذوق و شوق کے ساتھ اپنے مفوضہ فرائض کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ لاہور کے زمانہ قیام میں جو اشاعتی اور تبلیغی خدمات آپ بجا لائے وہ امید ہے کہ آپ کے نام کو ہمیشہ عزت کے ساتھ زندہ رکھیں گی۔ یہ مہتم بالشان خدمات وہ اہم اور ضخیم کتابیں تھیں جو آپ نے یکے بعد دیگرے نہایت محنت اور کاوش کے بعد مرتب کر کے شائع فرمائیں۔ میری مراد "حیاتِ طیبہ"، "حیاتِ نور"، "حیاتِ بشیر" اور "لاہور تاریخ احمدیت" سے ہے جن کی مفصل کیفیت انشاء اللہ آئندہ سطور میں بیان کی جائے گی۔

لاہور سے آپ کا تبادلہ کہیں اور نہیں ہوا کیونکہ لاہور جیسے مرکزی مقام پر آپ جیسے فاضل، قابل اور مخلص مربی ہی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء سے آخر وقت تک آپ پورے انہماک اور پوری توجہ کے ساتھ تالیف کتب مفیدہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ اجل کا پیغام آ گیا۔ نومبر ۱۹۶۶ء میں آپ پر اچانک فالج کا حملہ ہوا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور ۱۸ نومبر کو ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی بیماری، انتقال اور تدفین کی مفصل کیفیت اُن کے لائق فرزند شیخ عبد الماجد صاحب بی۔ اے الفضل میں لکھ چکے ہیں لہٰذا یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

آپ کی اولاد

آپ نے حسب ذیل اولاد اپنے پیچھے چھوڑی:۔

۱۔ شیخ عبد الماجد صاحب جو انگریزی میں بی۔ اے اور اُردو میں ادیب فاضل ہیں اور بجلی کے محکمہ میں ملازم ہیں۔

۲۔ شیخ عبد الواحد صاحب۔ یہ آجکل انگلستان میں ہیں۔

۳۔ شیخ عبد الہادی صاحب۔ یہ بی۔ ایس سی (انجینئرنگ)

ہیں اور وہ ایڈا میں ملازم ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کی خواہش تھی کہ اپنے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ لڑکے کو "واقفِ زندگی" بناؤنگا چنانچہ انہوں نے شیخ عبدالہادی کی زندگی وقف کردی۔

۴۔ عزیزی شیخ عبدالشکور۔ یہ ایف۔ اے میں پڑھتے ہیں۔

۵۔ عزیزی شیخ عبدالمالک۔ یہ ساتویں جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔

پانچ لڑکوں کے علاوہ آپ کی تین لڑکیاں مندرجہ ذیل ہیں:-

۶۔ عزیزہ محترمہ عائشہ صدیقہ۔ یہ فارسی میں "منشی فاضل" اور انگریزی میں ایف۔ اے ہیں۔ ان کی شادی مکرم خالد ہدایت صاحب بھٹی مینجر نیشنل بنک گجرات سے ہوئی۔

۷۔ عزیزہ مریم صدیقہ میٹرک پاس کر چکی ہیں۔

۸۔ عزیزہ طاہرہ صدیقہ چھوٹی بچی ہے اور پہلی جماعت میں پڑھتی ہے۔

آپ کے تبلیغی کارنامے

حضرت مولوی صاحب مرحوم تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا بے پناہ جذبہ لے کر ہندو مت سے احمدیت کی آغوش میں آئے تھے اور آخر وقت تک مسلسل یہ فریضہ ذوق و شوق اور نہایت خلوص کے ساتھ بجا لاتے رہے۔ نہ کبھی گرمی کی پرواہ کی نہ سردی کی، نہ دن دیکھا نہ رات۔ جب بھی اور جہاں بھی کوئی موقع ملتا اپنے اس فرض کو نہایت خوشی اور رضامندی سے انجام دیتے۔ خلوص اور للّٰہیت ان کے ہر کام، ہر فعل اور ہر بات سے نمایاں ہوتی تھی۔ کتنی عجیب اور کس قدر ایمان افروز یہ بات ہے کہ وہ ہندو نوجوان جو بقول خود مسلمان کے سائے سے بھی بھاگتا تھا اور جسے ہر وقت یہ خدشہ لگا رہتا تھا کہ اگر کوئی مسلمان میرے پاس سے گزر جائے تو کہیں میں بھرشٹ نہ ہو جاؤں، وقت آیا کہ وہی شخص اسلام کا جاں نثار، فدائی اور احمدیت کا پُرجوش مبلغ بن گیا اور اس نے بہتوں کو اپنی تبلیغ، اپنی محبت اور اپنے نیک نمونہ سے مسلمان بنایا۔ اسلام اس کا بچھونا تھا اور مذہب اس کا اوڑھنا۔ اور اسی مقدس لباس میں ملبوس وہ پیکرِ صدق و صفا اعلائے کلمۃ الحق کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اُسے اس خدمت کے عوض قیامت میں اپنے فضل سے آقائے دوجہاں حضور خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جوتیوں میں بیٹھنے کا اعزاز اور شرف عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین

آپ کی تبلیغی کوششیں اسی وقت سے شروع ہو گئی تھیں جب آپ قبولِ اسلام کے بعد دینی تعلیم کے لئے مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوئے تھے۔ ابھی آپ اس مدرسہ میں پڑھ ہی رہے تھے کہ پنڈت راج نرائن ارمان جو مشہور سناتنی لیڈر، بہت سی کتابوں کے مصنف، اعلیٰ پایہ کے شاعر اور کئی اخباروں کے ایڈیٹر تھے تفریحاً قادیان آئے اور اپنے سناتنی

دوستوں میں ٹھہرے۔ وہاں اُن لوگوں نے پنڈت جی سے کہا کہ تھوڑے دن ہوئے ایک سناتن دھرمی نوجوان سوداگر مل نامی ہندو مت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گیا ہے اور مبلغ بننے کے لئے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو گیا ہے آپ چونکہ سناتن دھرم کے بہت مشہور عالم اور فاضل ہیں اسلئے اس نوجوان کو سمجھائیں شاید آپ کے دلائل سے لاجواب ہو کر اور آپ کی شخصیت اور علم و فضل سے مرعوب ہو کر اسلام کو چھوڑ کر واپس ہندو دھرم میں آجائے۔

پنڈت جی ہمارے تبلیغی اداروں کو دیکھنے اور سیر کرنے کے لئے قادیان آئے تھے پھرتے پھراتے مدرسہ احمدیہ میں بھی آئے۔ قادیان کے معزز ہندو جو ساتھ تھے انہوں نے پنڈت جی کو بتایا کہ یہ وہ لڑکا ہے جو سوداگر مل سے عبدالقادر بن گیا ہے۔

پنڈت جی نے بڑے پُروقار طریقہ سے اُن سے پُوچھا کہ میاں صاحبزادے! تمہیں ہندو دھرم میں کونسی کمی اور اسلام میں کونسی خوبی نظر آئی جو تم نے اپنے قدیم دھرم کو چھوڑ کر جدید مذہب اختیار کیا؟

شیخ صاحب نہایت طباع اور بڑے ذہین تھے اُنہوں نے بلا پس و پیش فوراً جواب دیا کہ پنڈت جی! مہربانی فرما کر پہلے مجھے بتائیں کہ مذہب کا مقصد اور مدعا کیا ہے؟ پھر مَیں آپ کے سوال کا جواب دوں گا۔

پنڈت جی نے جواب دیا "مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا خدا سے تعلق قائم ہو جائے۔"

فوراً ہی شیخ صاحب نے کہا "پنڈت جی مہاراج! ایمان دھرم سے بتائیے کیا آپ کا حقیقی تعلق پرمیشور سے قائم ہے؟ اور کیا پرمیشور آپ سے بولتا اور ہم کلام ہوتا ہے؟

پنڈت جی نے قدرے تامل سے جواب دیا

"نہیں ایسا تو نہیں۔"

شیخ صاحب:- "اچھا آپ نہ سہی سارے ہندوستان میں کیا کوئی ایک ہندو بھی ایسا ہے جس سے خدا بولتا ہو اور اُس کا تعلق خدا سے قائم ہو؟"

پنڈت جی:- "وید کے رشیوں اور رام چندر جی مہاراج اور کرشن جی مہاراج سے پرمیشور بولتا تھا۔"

شیخ صاحب:- "پنڈت جی! یہ تو پدرم سلطان بود والی بات ہوئی، مجھے تو آج کے ہندوستان میں اور موجودہ ہندو بزرگوں میں سے کسی شخص کا نام لیکر بتائیں جو پرمیشور کا ایسا بھگت ہو کہ وہ اس سے پیار کرتا ہو اور اس سے بولتا ہو؟"

پنڈت جی:- "میاں صاحبزادے! ہم پر کیا موقوف ہے مسلمانوں میں کونسا ایسا مہاپُرش ہے جس سے پرمیشور کلام کرتا ہو؟"

شیخ صاحب:- "پنڈت جی! یہی تو بات تھی جس نے مجھے اسلام کی طرف راغب کیا۔ ہاں مسلمانوں میں حال ہی میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ایسے عظیم الشان بزرگ گزرے ہیں جن سے خدا بولتا تھا، اور انہیں غیب کی خبریں دیتا تھا۔ چنانچہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ اُسی خدا نے حضرت مرزا صاحبؑ کو

آریہ سماجی لیڈر ـــــ لیکھرام کے ہلاک ہونے کی خبر دی تھی اور وہ پیشگوئی کے عین مطابق ایک نامعلوم شخص کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور بھی سینکڑوں پیشگوئیاں خدا سے خبر پا کر حضرت مرزا صاحبؑ نے کیں جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔ آپؑ کے پیروؤں میں ہزاروں آدمی ایسے موجود ہیں جن کو الہام ہوتے ہیں اور وہ نہایت نیکی اور تقوےٰ کی زندگی گزارتے ہیں۔ کیا ملک بھر میں کوئی ایک بھی ہندو ایسا ہے جس کا دعویٰ ہو کہ مجھے الہام ہوتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیوں ہم اسلام قبول نہ کریں جس کے قبول کرنے پر خدا سے تعلق قائم ہو جاتا ہے؟"

پنڈت جی نوجوان عبد القادر کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکے اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے اس لڑکے سے بحث بیکار ہے اسے مسلمانوں نے اتنی دور پہنچا دیا ہے کہ اب اس کا واپس لوٹنا ناممکن ہے۔

مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے اور مدرسہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی۔ جہاں جہاں بھی بطور مبلّغ آپ کو لگایا گیا آپ نے بیحد جانفشانی اور تندہی کے ساتھ فریضہ تبلیغ کو ادا کیا اور اسلام و احمدیت کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ تحریر، تقریر، مباحثوں، خطبوں، وعظ و نصیحت، انفرادی اور اجتماعی تبلیغ، غرض ہر طرح سے آپ نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور بہت سی سعید روحوں نے اس پیغام کو قبول کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

آخر میں لاہور کے قیام کا زمانہ ہے جو کافی طویل ہے۔ یعنی ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۶ء تک۔ اس عرصہ میں بھی آپ انفرادی اور اجتماعی تبلیغ، درس قرآن مجید اور درس کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں برابر مشغول رہے۔ چونکہ لاہور ایک مرکزی مقام اور مغربی پاکستان کا دارالحکومت ہے اور یہاں احمدیوں کی آبادی دس ہزار سے بھی زیادہ ہے اسلئے یہاں ایک مربی کے علاوہ اس کے نائبین کی بھی ضرورت ہے چنانچہ شروع سے آخر تک جو احباب حضرت مولانا مرحوم کے نائب اور معاون رہے اور تبلیغی کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے رہے ان کے نام یہ ہیں۔ مولوی محمد اشرف صاحب ناصرؔ، راجہ خورشید احمد صاحب منیرؔ، مرزا محمد سلیم صاحب اخترؔ، سید شمس الحق صاحب اور مولوی مبارک احمد صاحب جمیلؔ۔

لاہور میں مولوی صاحب مرحوم کے تبلیغی کام کی اہمیت اور وسعت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تمام شہر کو تبلیغی لحاظ سے ۲۴ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر حصہ میں تبلیغی کارکن علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیئے گئے تھے اور تمام علاقوں کی نگرانی اور دیکھ بھال حضرت مولوی صاحب کے ذمہ تھی۔ آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ کتنی بھاری ذمہ داری کو حضرت مولانا نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا اور اس ذمہ داری کو بجا لانے

کی خاطر مولوی صاحب کو تمام شہر لاہور کا جو شرقاً غرباً میلوں میں پھیلا ہوا ہے دورہ کرنا پڑتا تھا۔ اور اس کے ساتھ مہینے میں دس دن شیخوپورہ بھی جا کر وہاں کے احمدیوں کی تربیت و تنظیم میں حصہ لینا اور غیر احمدیوں میں تبلیغ کے لئے ہدایات دینا بھی اُن کے فرائض میں سے تھا۔ یہ دیکھ کر اور خیال کر کے سخت حیرت ہوتی ہے کہ وہ اتنا بیحد کام کرنے کے لئے فرصت کہاں سے نکال لیتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ معلوم کر کے اور بھی زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ اِن مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ لاہور میں بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا بھی مولوی صاحب مرحوم نے شاندار کام کیا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو شاید زیادہ صحیح ہوگا کہ سارے کا سارا تصنیفی کام آپ نے لاہور ہی کے زمانۂ قیام میں کیا اور بڑی عمدگی اور خوبی سے کیا۔ اب جبکہ شیخ صاحب مرحوم اپنا کام ختم کر کے اپنے مولا کے حضور میں حاضر ہو چکے ہیں ہماری قلبی اور دلی دُعا ہے کہ اللہ پاک اپنے خاص فضل سے اُن کو بہشت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج عطا فرمائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اُن کی تبلیغی خدمات سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے اُن سے پُوچھا ہوگا کہ "مانگ کیا مانگتا ہے؟" تو انہوں نے یہی جواب دیا ہوگا کہ "حضور! میری تو یہی خواہش ہے کہ مجھے دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجا جائے تا مَیں تیرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تیرے بندوں تک پہنچاؤں اور برابر پہنچاتا رہوں یہاں تک کہ قیامت آجائے۔"

آپؓ کا تصنیفی کام

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی تحریر میں بھی زور، اثر اور جذب ہوتا ہے اور ان کی تقریر بھی مؤثر اور دل نشین ہوتی ہے۔ بعض تبلیغ بہت اچھی کر سکتے ہیں مگر تصنیف میں صفر ہوتے ہیں بعض تصنیف و تالیف کے مردِ میدان ہوتے ہیں مگر زبانی تبلیغ اُن کی اچھی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا تھا کہ وہ تحریر اور تقریر دونوں میں یکساں قابلیت رکھتے تھے اور دونوں باتوں میں اُنہوں نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ تبلیغِ احمدیت اور اشاعتِ اسلام میں اُنہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اُن کا مختصر تذکرہ آپ پڑھ چکے اب اُن کے تفصیلی کام کی بھی تھوڑی سی کیفیت سُن لیجئے۔

قدرت نے جہاں آپ کو تبلیغ کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا وہاں تصنیف کی بھی خاص لیاقت مرحمت فرمائی تھی۔ اور انہوں نے اپنی دونوں خداداد قوتوں سے نہایت عمدہ کام لیا۔ اور تصنیفی میدان میں ایسی کتابیں یادگار چھوڑیں جو اُن کے نام کو عزت اور عظمت کے ساتھ زندہ رکھیں گی۔

آپ کا تصنیفی کام دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(۱) وہ ٹھوس اور اہم اور ضروری کام جو آپ نے صیغہ نشر و اشاعت یا شعبہ تالیف و تصنیف کے حکم پر انجام دیا۔

(۲) وہ بے نظیر اور مفید اور مہتم بالشان کام جو آپ نے اپنی خوشی اور مرضی سے بطور خود کیا۔

مَیں پہلے اوّل الذکر صیغہ کے کام کی تفاصیل عرض کروں گا اس کے بعد ثانی الذکر کی :۔

۱۔ عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا کشوف اور الہامات کا ایک مکمل مجموعہ مرتب ہو کر شائع ہو جو اُن تمام کتب اور رسائل سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصنیف فرمائیں یا حضورؑ کی تقریروں، تحریروں اور مضامین اور ملفوظات سے جو مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوئیں یا اُن کاپیوں اور بیاضوں سے جو حضورؑ نے اپنے قلم سے رقم فرمائی تھیں جمع اور فراہم کیا جائے۔ اِس ضروری کام کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک سب کمیٹی بنانے کا حکم دیا جو لائحہ عمل مرتب کرے۔ چنانچہ اس کام کے لئے کمیٹی کو اس وقت زیادہ موزوں اور مناسب دو آدمی نظر آئے۔ ایک حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان اور دوسرے شیخ عبدالقادر صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ کام دونوں کے سپرد کر دیا گیا اور دونوں نے نہایت محنت اور کاوش کے ساتھ کتاب کی ترتیب و تدوین کا کام شروع کر دیا۔ کام کی تقسیم اِس طرح ہوئی کہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حضرت اقدسؑ کی کتب سے الہامات تلاش کریں اور سلسلہ کے تمام اخبارات و رسائل سے شیخ صاحب رؤیا و کشوف ڈھونڈیں۔ چنانچہ دونوں صاحبان نے انتہائی محنت، انتہائی خلوص اور انتہائی احتیاط کے ساتھ کام شروع کیا اور اُسے تکمیل تک پہنچایا۔ مکمل ہونے کے بعد یہ مقدس مجموعہ "تذکرہ" کے نام سے ۱۹۳۵ء میں صیغہ تالیف و تصنیف قادیان کی طرف سے شائع ہو گیا۔ یہ ایک بہت بڑا کام تھا جس کے انجام دینے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے شیخ صاحب مرحوم کو دی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

اِس مہتم بالشان کتاب کا دوسرا ایڈیشن بہت سے اضافوں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ کی زیرِ نگرانی ربوہ سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کی تیاری کا سارا کام فاضل جلیل محترم مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری کی مخلصانہ اور اَن تھک مساعی کا رہینِ منت ہے جنہوں نے صیغہ تالیف و تصنیف اور الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ کے ماتحت دو سال میں اِس کام کو سرانجام دیا۔ اب اِس مجموعہ کی ضخامت بڑے سائز کے ۸۰۴ صفحات پر

مشتمل ہے۔
۲۔ دسمبر ۱۹۳۷ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے نظارت تالیف و تصنیف کو اس نہایت اہم اور ضروری امر کی طرف توجہ دلائی کہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیکھنے حضورؑ کے ارشادات سننے اور حضورؑ کی پُرمعارف صحبت میں بیٹھنے والے اور حضور کی ذاتِ اقدس سے فیض حاصل کرنے والے اصحاب دنیا سے اُٹھتے جا رہے ہیں اسلئے اشد ضرورت ہے کہ جس شخص نے جو کچھ اور جب کبھی حضرت اقدسؑ سے کوئی بات سُنی ہو، یا حضورؑ نے کسی کو کوئی نصیحت کی ہو، یا کسی نے کوئی معاملہ حضورؑ کی خدمت میں پیش کر کے اس کے متعلق کوئی فیصلہ چاہا ہو، یا کسی پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق کسی کے سامنے حضورؑ نے کچھ ارشاد فرمایا ہو، یا کسی نے کوئی امر حضورؑ سے دریافت فرمایا ہو، وہ سب باتیں، روایتیں اور ارشادات ان لوگوں سے پوچھ پوچھ کر مختلف رجسٹروں میں جمع کئے جائیں اور پھر اُن کو ایک ترتیب کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

نظارت تالیف و تصنیف نے حضرت صاحبؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں شیخ صاحب مرحوم کو ستمبر ۱۹۳۸ء میں صحابہ مسیح موعودؑ کی روایات جمع کرنے کے کام پر متعین فرمایا۔ اور یہ دوسرا فخر تھا جو سلسلہ کی خدمت کا آپ کو حاصل ہوا۔ آپ نے خط و کتابت کر کے بھی اور بہت سے شہروں اور دیہات کا ہزاروں میل کا سفر کر کے صحابہ حضرت مسیح موعودؑ سے مل کر روایات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا جو ربوہ کی مرکزی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ نہایت ہی قیمتی ذخیرۂ روایات فلسکیپ سائز کے قریباً چار ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

۳۔ بحیثیت مہتمم نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ آپ نے یکم اگست ۱۹۵۱ء سے ایک ہفتہ وار تبلیغی اخبار "التبلیغ" کے کے نام سے جاری فرمایا۔ اس اخبار میں ہر ہفتہ کسی ایک موضوع پر شیخ صاحب نہایت قابلیت سے کوئی تبلیغی مضمون لکھا کرتے تھے اور وہ چھپ کر سارے مُلک میں شائع ہو جایا کرتا تھا۔ اس اخبار کا ہر پرچہ ایک مستقل تبلیغی ٹریکٹ ہوتا تھا اور مختلف سائزوں پر مختلف ضخامت کے ساتھ شائع ہوا کرتا تھا۔ کبھی صرف دو صفحے کا، کبھی چار صفحے کا، کبھی آٹھ کا اور کبھی سولہ کا۔ یہ سلسلہ تبلیغی لحاظ سے بہت مفید تھا جس میں معقول اور سنجیدہ بات، صرف چند سطروں میں مختصر طور پر کہہ دی جاتی تھی جو بالعموم

بڑی موثر ہوتی تھی۔ تبلیغی ٹریکٹوں کا یہ نہایت
مفید سلسلہ بڑا مقبول ہوا۔ لوگ اسے بڑے
ذوق و شوق سے پڑھتے تھے اور اپنے پاس
محفوظ رکھتے تھے۔

اس کے بعد ہم ایسے ٹریکٹوں، ایسے پمفلٹوں،
ایسے رسائل اور ایسی کتب کی ایک فہرست پیش
کرکے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں جو حضرت شیخ صاحب
مرحوم نے خود اپنی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع کیں۔

۱۔ سیرۃ سید الانبیاءؐ۔ یہ سب سے پہلی کتاب ہے
جو نظارت تالیف و تصنیف کی طرف سے
شائع نہیں ہوئی بلکہ اس کی طباعت کا سارا
خرچ شیخ صاحب کے محترم استاد حضرت مولانا
محمد اسماعیل فاضلؓ پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان
نے برداشت کیا۔ دراصل یہ کتاب ایک کتاب
ایک رنگ میں حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ
کی بے نظیر تالیف "سیرۃ خاتم النبیین" کا
خلاصہ ہے۔ جس کا اعتراف خود شیخ صاحب
نے دیباچہ میں کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی یہ مبسوط سوانح حیات ۲۰×۲۶/۸ کے ۶۲ صفحات
پر ماہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں قادیان سے شائع ہوئی۔
پوری کتاب دس ابواب پر منقسم ہے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وصال
تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن تقسیم ملک
کے بعد ۲۰×۲۰/۱۶ کے ۹۰ صفحات پر ربوہ سے
فضل حسین صاحب نے ربوہ سے شائع کیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جستہ جستہ
حالات اس میں بڑی جامعیت سے آگئے ہیں۔
طلباء اور نوجوانوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

۲۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے متعلق ایک اہم تاریخی انکشاف۔ یہ صرف بارہ صفحے کا
ٹریکٹ ہے مگر بڑا اہم اور دلچسپ ہے۔ جو
شیخ صاحب مرحوم نے قیام لاہور کے زمانہ
میں شائع فرمایا۔ اس کے شروع میں حضرت مسیح
ناصریؑ کی اس نایاب اور قدیم تصویر کا فوٹو
دیا گیا ہے جو روما کے سب سے بڑے گرجا میں محفوظ
ہے اور اس کے اصلی ہونے کی تصدیق بڑے
بڑے پادریوں نے کی ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ
ہے کہ یسوع مسیح ۳۳ سال کی عمر میں صلیب پر
چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوگئے مگر
یہ قدیم اور مصدقہ تصویر اس عقیدہ کا بطلان
کررہی ہے کیونکہ یہ ایک نہایت بوڑھے
اور ضعیف انسان کی تصویر ہے۔ اسی مسئلہ
کے متعلق اس ٹریکٹ میں بحث کی گئی ہے اور
ثابت کیا گیا ہے کہ نہ حضرت مسیح کو ۳۳ سال
کی عمر میں صلیب دی گئی، نہ آسمان پر اٹھائے
گئے بلکہ بوڑھے ہوکر انہوں نے وفات پائی۔

۳۔ عیسائیوں کے رسالہ خاتم النبیین کا جواب
لاہور کے عیسائیوں نے تقسیم ملک کے بعد ایک
رسالہ شائع کیا جس کا نام "خاتم النبیین" تھا۔

اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین نہیں تھے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین تھے۔ یہ رسالہ شیخ صاحب مرحوم نے اسی عیسائی رسالہ کے جواب میں لکھا تھا جس میں بدلائل ثابت کیا تھا کہ خاتم النبیین بالیقین حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ یہ اگرچہ ۲۰ صفحات کا مختصر سا رسالہ ہے لیکن بہت دلچسپ اور پُر لطف ہے اور بڑی متانت اور سنجیدگی سے لکھا گیا ہے۔

۴۔ حیاتِ طیبہ ۔ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ احمدیہ کے ایک ممتاز مبلغ شیخ عبد القادر صاحب کو توفیق دی کہ انہوں نے عرصہ کی کوشش کے بعد جنوری ۱۹۶۰ء میں یہ کتاب شائع کی۔ ربوہ سے متعلق احمدیہ لٹریچر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پہلی مبسوط، جامع اور مفصل سوانح عمری ہے اور بڑے ایمان افروز واقعات پر مشتمل ہے۔ چھوٹی چھوٹی سوانح عمریاں تو جماعت میں مختلف اصحاب نے لکھی ہیں لیکن تفصیلی سوانح عمری کی اشد ضرورت تھی سو الحمد للہ شیخ صاحب مرحوم نے یہ کتاب لکھ کر پوری کر دی۔ بڑی تقطیع ($\frac{۲۶\times۳۰}{۸}$) کے ۴۸۶ صفحات پر یہ کتاب لاہور سے شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور مارچ ۱۹۶۰ء میں شیخ صاحب نے اس کا دوسرا ایڈیشن بعض اضافوں کے ساتھ ۴۹۶ صفحات پر بعض فوٹوؤں کے ساتھ بہت نفاست سے شائع کیا۔ احمدی دنیا شیخ صاحب کے اس علمی کارنامے پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔ یہ قابلِ غور کتاب ۱۹۳۸ء سے شیخ صاحب مرتب کر رہے تھے جو ۱۹۵۹ء میں چھپی اور جماعت میں بڑی مقبول ہوئی۔ بہت سے نایاب فوٹو بھی اس کتاب میں شیخ صاحب نے نہایت تلاش کر کے شائع کئے ہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں ان فوٹوؤں کی تعداد ۳۰ ہو گئی ہے جبکہ پہلے ایڈیشن میں صرف ۱۲ تھی۔

۵۔ مسیح بلادِ مشرقیہ میں ۔ یہ وہ تقریر ہے جو جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء کے موقع پر شیخ صاحب مرحوم نے ربوہ میں فرمائی تھی۔ تقریر اُس وقت جلسہ میں پوری نہیں پڑھی جا سکی تھی۔ بعد میں شیخ صاحب مرحوم نے اسے مرتب کر کے مہتمم صاحب صیغہ نشر و اشاعت ربوہ کو دے دیا جسے انہوں نے ۲۰۸ صفحہ پر کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ تقطیع $\frac{۲۰\times۲۰}{۱۶}$ ہے۔ اس میں شیخ صاحب نے انکشافاتِ جدیدہ کی روشنی میں بڑے پختہ دلائل کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے بلکہ آپ اپنے وطن سے ہجرت کر کے کشمیر میں آ گئے اور یہیں لمبی عمر

پاکر انتقال کیا۔

۶۔ **حیاتِ نورؓ**۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا حکیم نور الدین رضی اللہ عنہ کی نہایت مبسوط، مکمل اور تفصیلی سوانح عمری ہے۔ جو شیخ صاحب مرحوم نے عرصۂ دراز کی محنت و تلاش کے بعد دسمبر ۱۹۶۳ء میں شائع کی۔ بڑی تقطیع کے ۷۰۸ صفحات پر یہ کتاب چھپی ہے اور نہایت ہی ایمان افروز اور دلچسپ و پُرلطف واقعات پر مشتمل ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی مکمل سوانح عمری کی اشد ضرورت تھی۔ شیخ صاحب نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور یہ ضخیم کتاب لکھ کر اس کو پورا کیا۔ مرقاۃ الیقین نامی ایک کتاب اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے عرصہ دراز گزرا قادیان میں مرتب کی تھی۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے چند واقعات کا مجموعہ ہے جو آپؓ نے خود اکبر شاہ خان کو لکھوائے تھے۔ اور ایک چھوٹی تقطیع کی چھوٹی سی کتاب قادیان کے ایک پبلشر نے اسی موضوع پر شائع کی تھی۔ بس یہی دو سوانح عمریاں آپ کی لکھی گئی تھیں جو بہت ہی مختصر اور تشنہ تھیں۔ شیخ صاحب نے ان دونوں کتابوں کے تمام مضامین اپنی کتاب میں لے کر اور انہیں پھیلا کر شائع کیا ہے۔ ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی یہ سب سے پہلی مبسوط، مکمل اور ضخیم سوانح عمری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پڑھنے کے قابل ہے۔ ایسے عجیب عجیب واقعات شیخ صاحب نے اس میں جمع کئے ہیں کہ جن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے اور انسان خیال کرنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی عجیب و غریب قابلیتیں اور لیاقتیں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھیں۔ وہ زمین پر چلتے پھرتے ایک فرشتہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھرے۔ آمین

۷۔ **حیاتِ بشیرؓ**۔ یہ حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مفصّل اور بسیط سوانح عمری ہے جو آپؓ کے انتقال کے بعد سلسلہ کے اخبارات و رسائل سے لیکر شیخ صاحب نے مرتب کی اور اکتوبر ۱۹۶۴ء میں اسے بڑی تقطیع کے ۴۰۵ صفحات پر خود شائع کیا۔ یہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی پہلی سوانح عمری ہے جو اس جامعیت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے کہ اس کی فہرست مضامین ۳ صفحات میں آتی ہے۔ علاوہ ازیں آٹھ نایاب فوٹو بھی کتاب کو زینت دے رہے ہیں۔ اس کتاب میں شیخ صاحب نے یہ بڑا اچھا کام کیا ہے کہ جہاں سے جو واقعہ لیا ہے ساتھ اس کا حوالہ دیدیا ہے۔

۸۔ لاہور۔ تاریخ احمدیت ۔ یہ وہ آخری عظیم الشان کتاب ہے جو حضرت شیخ صاحب مرحوم کے قلم سے نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ صاحب مرحوم کو تاریخی امور میں تحریر کا عجیب و غریب ملکہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس قدر ضخیم اور اس قدر محققانہ کتاب آپ نے صرف ایک سال کے عرصہ میں مرتب کر کے شائع کر دی۔ میں اگر ایسی کتاب لکھنا شروع کرتا تو اس کی تکمیل میں یقیناً دس سال لگتے اور پھر بھی شاید کتاب میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل نرالی ہے۔ یعنی اس میں شیخ صاحب مرحوم نے لاہور جیسے مرکزی مقام میں احمدیت کی ابتداء، ترقی و عروج اور موجودہ کیفیت کا بہت تفصیلی اور تحقیقی تذکرہ کیا ہے۔ اور لاہور میں شروع سے اب تک جتنے نمایاں احمدی احباب گزرے یا زندہ موجود ہیں سب کے حالات جمع کئے ہیں اور ہر ایک کے قبولِ احمدیت اور خدمتِ دین کے جو واقعات معلوم ہو سکے قلمبند کئے ہیں اور کتاب کے مرتب کرنے میں تحقیق و تلاش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ جو عظیم محنت شیخ صاحب مرحوم نے اس کتاب کو مرتب کرنے میں اٹھائی اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے ریسرچ کے ایسے کاموں کا تجربہ ہو کہ اس راہ میں انسان کو کس قدر تکلیفیں، دقتیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں اور کیسے کیسے کٹھن مقام اس راستہ میں آتے ہیں۔ کتاب پانچ مبسوط ابواب پر محیط ہے اور فہرست مضامین آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اسی سے کتاب کی جامعیت کا اندازہ لگا لیں۔ کتاب بڑی تقطیع پر خوشخط شائع ہوئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۶۲۴ ہے۔ جلد مضبوط اور خوشنما مندھوائی ہے جس پر کتاب کے نام کی ڈائی سنہری حروف میں لگی ہوئی ہے۔ کتاب بہت سے فوٹوؤں سے مزین ہے جو بڑی تلاش سے فراہم کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب شیخ صاحب نے اس شان سے لکھی ہے اور اس قدر جامعیت سے اس کو ترتیب دیا ہے کہ احمدیت کی تاریخ پر قلم اٹھانے والا کوئی مورخ اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ بڑی ہی قابلِ قدر اور لائقِ مطالعہ کتاب ہے جس میں سینکڑوں ایمان افروز واقعات ایک سے ایک بڑھ کر لکھے ہوئے ہیں۔ شیخ صاحب نے واقعات کو بیان کرنے میں نہ کہیں جانبداری سے کام لیا ہے اور نہ کہیں شواہد کو چھپایا ہے اور سب حالات بلا کم و کاست بیان کر دیئے ہیں۔ کاش! پاکستان اور ہندوستان کے ہر ضلع کی احمدیت کی تاریخ اسی رنگ اور اسی طرز میں لکھی جائے جس طرح شیخ صاحب نے

یہ کتاب لکھی ہے۔ بلکہ تمام دنیا کے ممالک کی جہاں جہاں احمدی جماعتیں قائم ہیں ایسی ہی تاریخ مرتب ہونی چاہیئے۔ کاش! یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہو۔ اگر ایسی کتابیں ہر جگہ سے "احمدیہ گزیٹیئر" کے طور پر شائع ہوں تو یہ احمدیہ لٹریچر میں بے انتہا مفید اضافہ کا موجب ہوں گی اور ان کا ثواب حضرت شیخ صاحب مرحوم کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا جنہوں نے نہایت اخلاص، نہایت محنت اور نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اس عجیب کام کی طرف توجہ فرمائی اور اپنے حصہ کا کام بہ احسن وجوہ پورا کرتے ہی خدا کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ کاش! شیخ صاحب کچھ اور زندہ رہتے تو ہمیں اور بہت سے علمی خزائن سے مستفید اور مستفیض فرماتے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٭

ایک تمنّا - ایک تڑپ

(از عزیزم شیخ عبدالماجد صاحب ابن شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم)

والد محترم حضرت شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم اپنی تصنیفات میں تحریر فرماتے ہیں:-

(۱) حیاۃ طیبہ

... بالآخر یہ راقم آثم اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں مولا کریم کے حضور عرض کرتا ہے کہ اے میرے آسمانی آقا! میں نے اپنی بساط کے مطابق تیرے مسیح پاک کی زندگی کے کچھ حالات جمع کر کے انہیں ایک کتاب کی شکل میں پیش کر دیا ہے اور میری خواہش صرف اور صرف یہ ہے کہ تیری مخلوق تیرے مرسل و مامور کے حالاتِ زندگی کو پڑھ کر ان سے فائدہ حاصل کرے اور میرے حق میں دعا کرے۔ مگر اے میرے خالق و مالک خدا! اصل چیز تو تیری پسندیدگی کا اظہار ہے۔ تو میری اس حقیر کوشش کو قبول فرما اور مجھ گنہگار کو بخش کر مجھے اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے کہ یہی میری پہلی اور آخری خواہش ہے۔ اللّٰھم آمین۔

(۲) حیاۃ نورؓ

... الحمد للہ کہ اب خاکسار کو یہ مفصل کتاب (حیاۃ نورؓ) احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ احباب دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور میرے گناہوں سے درگزر فرما کر بغیر حساب کے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لے۔ آمین ثم آمین۔

(۳) حیاۃ بشیر

... اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نہایت عاجزی کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی بھر خدمت سلسلہ کی توفیق عطا فرماتا رہے اور میرا انجام بخیر ہو۔ . .

(۴) لاہور تاریخ احمدیت

... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ خاکسار کی اس ناچیز تالیف کو قبول فرمائے اور اسے عاجز کی مغفرت کا ایک ذریعہ بنا دے .... آمین

اللّٰھم آمین ٭

حضرت ابراہیم علیہ السلام ــــ بچپن سے ہجرت تک

تورات و قرآن حکیم کے بیانات کا موازنہ

(محترم جناب شیخ عبد القادر صاحب محقق عیسائیت)

خلیل اللہؑ کے والدین

خلیل اللہؑ کے والدین بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ آپؑ کی پرورش چچا کے گھر میں ہوئی۔ اپنے والدین کے لئے ان کی وفات کے بعد بھی آپ ہمیشہ دعائیں کرتے رہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ کی دعا وردِ زبان رہتی لیکن اپنے اَبْ یعنی چچا کیلئے اس کے عینِ حیات ہی آپؑ نے مغفرت طلب کرنا بند کر دیا کیونکہ اس نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ عَدُوٌّ لِلّٰہِ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:-

"اور ابراہیم کا استغفار اپنے اَبْ کے لئے صرف اس وجہ سے تھا کہ اس نے اس سے ایک وعدہ کیا تھا مگر جب اُس پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس وعدہ سے پوری طرح دست بردار ہو گیا"

(توبہ: ۱۱۴)

قرآنی اشارات قابلِ غور ہیں۔ آپ کے حقیقی باپ کو "والد" کہا گیا اور چچا کو "اَبْ"۔

تورات میں لکھا ہے کہ خلیل اللہ کے باپ کا نام تارح تھا اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سارہ تارح کی بیٹی تھیں۔ اس رشتہ کی توجیہہ یہ کی گئی کہ باپ کی طرف سے سارہ آپ کی سگی بہن تھیں لیکن ماں اور تھی (پیدائش $\frac{20}{12}$)۔ کیا دینِ ابراہیمؑ میں اس قسم کا رشتہ جائز تھا؟ تورات میں لکھا ہے کہ اس قسم کا رشتہ سراسر ناجائز ہے بلکہ ایسے رشتہ پر لعنت کی گئی۔ باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں کی دونوں سے تعلق زوجیت ناجائز ہے (استثناء $\frac{27}{22}$) اس مشکل کا حل تورات پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن حکیم نے بتایا کہ آپ کے "والد" اور تھے اور "اَبْ" اور۔ تارح آپ کے چچا تھے نہ کہ والد۔ آپؑ کی شادی چچا کی بیٹی سے ہوئی نہ کہ والد کی بیٹی سے۔

آزر کون تھا؟

تورات میں خلیل اللہؑ کے باپ کا نام تارح آیا

ہے۔ لکھا ہے کہ وہ اپنی قوم کے بتوں کا پجاری تھا۔
(یشوع ۲۴/۲) قرآن حکیم میں ہے کہ ابراہیمؑ کے اَبْ
کا نام اٰذَرْ تھا۔ تارح اور آزر ایک ہی شخصیت
کے دو نام ہیں۔ تارح ذاتی نام ہے اور آزر لقب۔
نام کے اس اختلاف پر مستشرقین معترض ہیں لیکن
تاریخی شواہد اور آثارِ قدیمہ کی شہادت سے پتہ
لگتا ہے کہ تارح کا لقب آزر تھا۔ تارح کو آزر
کیوں کہا گیا؟ کتباتِ بابل سے معلوم ہوتا ہے کہ
عصرِ ابراہیمی میں مردوک دیوتا پوجا جاتا تھا۔ بابلی
دیو مالا کا یہ سب سے بڑا دیوتا تھا۔ اس دیوتا کو اَمَرْ
یا اَزَرْ کے خطاب سے یاد کیا جاتا۔[1] اسی نسبت سے
اس دیوتا کے بڑے پجاری کو آزر یعنی "اَذَر دیوتا
والا" کہا گیا۔

تاریخی ثبوت بھی موجود ہے کہ تارح کو آزر
کہا جاتا تھا۔ مؤرخ کلیسیا یوسی بیس نے قرونِ
اولیٰ میں اپنی تاریخ مرتب کی اس میں وہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح بتاتا ہے
اور دوسری جگہ آثر یعنی آزر بھی۔ اس سے ظاہر
ہے کہ ازمنۂ قدیم میں تارح کا لقب آثر یا آزر
زبان زدِ خلائق تھا۔

نام | قرآن حکیم میں ہے کہ خلیل اللہ کو شروع
دن سے لوگ ابراہیم کہتے تھے۔ یُقَالُ لَهٗ اِبْرَاهِيْمُ
یعنی آپ ابھی آزر کے ہاں تھے کہ لوگ آپ کو اس
نام سے پکارتے تھے۔ تورات میں ہے کہ شروع میں
آپ کا نام ابرام تھا، ہجرت کے بعد ابرہام رکھا
گیا (پیدائش ۱۷/۵)۔ ابرام کے معنے "پدرِ بزرگوار"
کے ہیں اور ابرہام کے معنے قوموں کے باپ کے۔
کسی بچے کو پدرِ بزرگوار کا نام دینا یا اس نام سے
پکارا جانا ایک عجیب بات ہے۔ قرآن حکیم نے اس
غلطی کی اصلاح کی کہ آپ کا نام ابرام یا ابرہام
نہیں تھا بلکہ ابراہیم تھا۔ شروع سے لیکر آخر تک
آپ کا ایک ہی نام رہا۔ اب علمائے بائیبل نے بھی
یہ تسلیم کر لیا ہے کہ دونا موں والا تورات کا حوالہ
بعد کی تشریح ہے۔ کسی اسرائیلی عالم نے تورات کی
تدوینِ نو کے وقت خلیل اللہ کے دونا موں کی وجہ
تسمیہ داخلِ تورات کر دی۔[1] آپ کا نام شروع سے
آخر تک ایک تھا۔ آپ کا حقیقی نام کیا تھا؟ علمائے
بائیبل ابرام اور ابرہام کی قطعی لغوی تشریح سے
بالکل عاجز ہیں۔ قرآنِ حکیم نے جو نام بتایا ہے وہ آپ
کا حقیقی نام ہے۔ ابراہیم دراصل "ابرام ہیم" کا
مخفف ہے جس کے معنے لوگوں کو مضبوط کرنے، انکو
بنیانِ مرصوص کر دینے کے ہیں۔ یہ وجہ تسمیہ مناسب

1- A Sumerian Reading Book by C.J. Gadd, M.A. P. 151, 178

1- Interpreter's Bible Dictionary
زیر لفظ ابراہام وسارہ۔

اور قرینِ قیاس ہے، ورنہ کسی نو مولود کا نام "بدبینگو اڈ" رکھنا مضحکہ خیز ہے۔

ابتدائی حالات

تورات میں خلیل اللہ کی ہجرت سے پہلے کے حالات ہمیں نہیں ملتے۔ قرآن حکیم نے ہجرت سے پہلے کے بھی حالات بیان کئے ہیں اور بعد کے بھی۔ خلیل اللہ نے جس گھر میں پرورش پائی وہ بتوں کے پجاری کا گھر تھا۔ آزر کو تبلیغ، توحید کا درس، بادشاہِ وقت کے دربار میں اعلائے کلمۃ اللہ، بت شکنی، آگ میں ڈالا جانا اور اس کا معجزۃً سرد ہو جانا۔ نتیجۃً ہجرت۔ یہ سب واقعات تورات میں ہمیں نہیں ملتے۔ یہود کہتے ہیں کہ تورات کے دو حصے ہیں۔ ایک تحریری تورات اور ایک زبانی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات تحریری تورات میں موجود ہو۔ بہت سی باتیں اور تفصیلات تحریری تورات میں نہیں ہیں لیکن زبانی تورات میں ہیں۔ زبانی تورات احادیثِ یہود میں ملتی ہے۔ طالمود اور یہودی لٹریچر میں تورات کی گم شدہ کڑیاں ملتی ہیں۔

عصرِ ابراہیمی کے حالات تورات، طالمود، مدرش اور صحیفہ جوبلی میں ملتے ہیں۔ مؤخر الذکر صحیفہ دوسری صدی قبل مسیح میں لکھا گیا۔ کچھ حالات نئے عہد نامہ میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ قرآنی بیانات حقیقی واقعات پر مشتمل ہیں لیکن اہل کتاب نے جگہ جگہ ٹھوکر کھائی ہے۔

بعثت

قرآن حکیم میں ہے کہ خلیل اللہ عنفوانِ شباب میں ہی توحید کے علمبردار بن کر شرک کے استیصال کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے بزرگ آزر کو مخاطب کیا:۔

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ تو بتوں کو خدا ٹھہراتا ہے میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔" (انعام)

پھر قوم سے مخاطب ہوئے:۔

"اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اوّل ہی سے رشد و ہدایت عطا کی تھی اور ہم اس کے (معاملے) جاننے والے تھے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مجسمے کیا ہیں جن کو تم لئے بیٹھے ہو۔ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پوجا کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے لئے کوئی حق لایا ہے یا یونہی مذاق کرنے والوں کی طرح کہتا ہے۔ ابراہیم نے کہا (یہ بت تمہارے

رب نہیں ہیں بلکہ) تمہارا پروردگار
زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار
ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے
اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔"

(انبیاء)

تورات میں خلیل اللہ کی زندگی کا یہ ورق ہمیں نہیں ملتا۔ صحیفہ جوبلی میں لکھا ہے کہ تارح بتوں کا پجاری تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے تبلیغ کیا کرتے۔ اور خدائے احکم الحاکمین کی طرف اس کی توجہ کو پھیرتے۔ بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ابراہیمؑ چودہ برس کے تھے کہ انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ بتوں کی پرستش کرنے سے انکار کردیا۔ انہوں نے باپ سے مخاطب ہو کر کہا:۔

جن بتوں کی آپ پرستش کرتے
ہیں یہ ہمیں کیا مدد دیتے اور کونسا
نفع پہنچاتے ہیں۔ ان میں جان نہیں،
یہ صمٌّ بکمٌ ہیں اور دلوں کی گمراہی
کا سامان۔ ان کی پرستش سے کنارہ
کیجئے۔ پرستش کیجئے آسمانوں کے خدا
کی، جو کہ زمین پر بارش اور شبنم نازل
کرتا ہے اور ہر چیز کا وہ خالق ہے
اس کے کلمۂ کن سے ہر چیز پیدا
ہوئی اور اس کا چہرہ زندگی کا سرچشمہ
ہے۔"

(۱۲ باب)

قوم کو تبلیغ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم یوں تو بہت سے دیوتاؤں کو پوجنے والی تھی۔ لیکن تین دیوتاؤں کو خصوصیت سے پوجتی تھی۔ سِن دیوتا[1] کے پیرایہ میں ماہتاب کی پرستش، دخترِ ماہتاب عِشتر کے طور پر زہرہ کی پرستش، مردوک دیوتا کے رنگ میں سورج کی پرستش۔ نئے سال کے شروع میں ایک عظیم الشان میلہ لگتا۔ جس میں بتوں کا جلوس نکالا جاتا۔ بھجن گائے جاتے۔ "کوکب" یعنی زہرہ کے طلوع پر جوش و خروش کا مظاہرہ اور اس کے غروب پر رسومات بجا لاتے۔ اسی طرح چاند کے طلوع و غروب اور سورج کے طلوع و غروب کے اوقات میں بہت سی رسومات اس میلہ میں انجام پاتیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو تبلیغ کے لئے اس میلہ کا انتخاب کیا۔ جب رات کی تاریکی چھا گئی اور پردۂ مشرق سے کوکب یعنی زہرہ ستارا نمودار ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو کہا "یہ میرا رب ہے جسے پوجنے کی تم دعوت دیتے ہو؟" آپ زہرہ کے غروب تک قوم کو توحید کا سبق

---

[1] بابل میں چاند دیوتا کا خطاب "چمکنے والا" تھا۔ قرآن حکیم میں فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا کے الفاظ ہیں۔ زہرہ ستارے کو "کوکب تا" "کوکب تا" اور بابلی کاکب کہتے تھے۔ قرآن حکیم میں رَاٰ کَوْکَبًا ہے۔

دیتے رہے۔ اس کے غروب ہونے پر آپ نے کہا کہ میں ایسے رب کی عبادت کروں جو کہ ڈوبنے والا ہے؟
پچھلے پہر چاند طلوع ہوا۔ پرستش کا دوسرا مرحلہ سن دیوتا سے وابستہ تھا۔ چاند جب روشن ہوا آپؑ نے فرمایا اچھا یہ میرا رب ہے؟ غروب ماہتاب تک آپ قوم کو تبلیغ کرتے رہے آخر میں فرمایا:۔

"اگر میرے پروردگار نے مجھے
راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں ضرور اسی
گروہ میں سے ہو جاتا جو راہِ راست
سے بھٹک گیا ہے"

صبحدم جب سورج طلوع ہوا تو عبادت کا تیسرا مرحلہ شروع ہوا۔ آپؑ نے طنزاً فرمایا یہ میرا رب ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے؟ غروبِ آفتاب تک آپؑ تبلیغ میں مصروف رہے۔ آخر میں فرمایا:۔

"اے میری قوم تم جو کچھ خدا کے
ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں اس
سے بیزار ہوں۔ میں نے تو ہر طرف
سے منہ موڑ کر صرف اسی ہستی کی
طرف اپنا رُخ کر دیا ہے جو آسمان
و زمین کی خالق ہے اور میں
ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ
شریک ٹھہرانے والے ہیں" (انعام)

اس بحث میں قوم بہت زچ ہوئی۔ اس قسم کے بہت سے مواقع آئے قوم پر حجت تمام کر دی گئی، یہاں تک کہ آپؑ نے اعلان کر دیا کہ یوں تم باز نہیں آتے اب میں تمہارے بتوں کے ساتھ کوئی ہاتھ کرونگا۔

بُت شکنی

خلیل اللہؑ نے ایک دن قوم کے سامنے اعلانِ جنگ کر دیا کہ میں تمہارے بتوں کے متعلق ایک ایسی چال چلوں گا جو تمہیں ذلیل کر دے گی۔ فرمایا:۔

"اللہ کی قسم میں تمہاری عدم موجودگی
میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ خفیہ
چال چلوں گا" (انبیاء)

میلہ کا موقع تھا۔ قوم کی غیر حاضری میں کیا ہوا؟ فرمایا۔ ابراہیم چپکے سے اُن کے بتوں میں جا گھسا۔ اور یوں کہنے لگا۔ کیوں نہیں کھاتے تم! تم کو کیا ہوگیا تم گنگ کیوں ہو؟ پھر اپنے داہنے ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالا۔ (الصافات)

دوسری جگہ ہے کہ عام بتوں کو تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر اُن میں سے بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (انبیاء)

اِس عظیم الشان واقعہ کا تورات میں کوئی ذکر نہیں۔ ٹالمود اور صحیفہ جوبلی میں واقعہ کی گم شدہ کڑیاں ملتی ہیں۔

آگ کا سلامت ہونا

اب معاملہ انتہاء کو پہنچ گیا۔ فرمایا:۔

"وہ سب کہنے لگے کہ ابراہیم
کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی

مدد کرو۔ اگر تم (کچھ) کرنا چاہتے
ہو۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ !
تو ابراہیم کے حق میں سلامتی اور
سرد بن جا اور انہوں نے ابراہیم
کے لئے ایک مخفی چال کا ارادہ کیا۔
پس ہم نے ان کو ان کے ارادہ میں
ناکام بنا دیا۔" (الانبیاء)

مزید تفصیل ملاحظہ ہو:۔

"انہوں نے کہا اس کے لئے ایک
جگہ بناؤ اور اس کو دہکتی آگ میں
ڈالا۔ پس انہوں نے ارادہ کیا
پس ہم نے ان کو پست و ذلیل
کر دیا۔" (الصافات)

تورات میں خلیل اللہ کی ہجرت سے پہلے کے واقعات کا ذکر مفقود ہے۔ لہذا یہ عظیم الشان معجزہ بھی تورات میں نہیں ملتا۔ صرف ایک مبہم عبارت ہے جس سے علمائے یہود آگ سے نجات کا استدلال کرتے تھے۔ تورات میں لکھا ہے کہ ابراہیم کو اللہ تعالیٰ کلدانیوں کے اُور سے نکال لایا۔ تورات کے تراجم میں اُور سے مراد اُور بستی لی گئی ہے جو کہ مولدِ رسول تھی۔ لیکن ربانیین سمجھتے تھے کہ یہاں اُور کے معنے آگ کے الاؤ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کلدانیوں نے جو آگ بھڑکائی تھی اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات دی اور وہاں سے تجھے بحفاظت نکال لایا۔ اُور کے معنی عبرانی میں آگ کے الاؤ کے ہیں۔ مندرجہ ذیل روایت جو کہ مدرش رباہ میں آئی ہے اس معجزہ کی تائید کرتی ہے:۔

یہودی روایت

"زارح (تارح) بُت تراش تھا۔
ایک دن وہ کہیں باہر چلا گیا اور
اپنی جگہ ابراہیم کو بُت بیچنے کے لئے
بٹھلا گیا۔ ایک خریدار آیا۔ ابراہیم
نے اس سے پوچھا تیری عمر کیا ہے؟
وہ بولا پچاس یا ساٹھ برس۔ اس نے
کہا افسوس اس شخص پر جو ساٹھ برس
کو پہنچ چکے اور ایسی شے کی پرستش
کی آرزو کرے جو ابھی ایک دن
کی بھی نہ ہو۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر
چلتا ہوا۔ پھر ایک دفعہ ایک عورت
آئی تھالی میں گیہوں کا آٹا لئے ہوئے
اور ابراہیم سے بولی یہ لو اسے ان کے
آگے دھر دو۔ پھر ابراہیم اُٹھا اور
لاٹھی لیکر ان سبھوں کو توڑ ڈالا اور
لاٹھی ایک بُت کے ہاتھ میں تھما دی
جو سب سے بڑا تھا۔ جب باپ لوٹا
اُس نے پوچھا ان بُتوں کے ساتھ
یہ حرکت کس نے کی؟ ابراہیم نے
جواب دیا میں آپ سے کیوں چھپاؤں
ایک عورت تھالی بھر گیہوں کا آٹا

لائی تھی مجھ سے بولی ان کے آگے رکھ دے۔ مَیں نے لاکر ان کے آگے دھر دیا۔ یہ کہنے لگا پہلے مَیں کھاؤں گا اور یہ بولا نہیں پہلے مَیں کھاؤں گا۔ پھر جو ان میں سب سے بڑا ہے اس نے لاٹھی اٹھائی اور ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ باپ سُن کے بولا۔ بھلا کیوں تو مجھ سے باتیں بناتا ہے؟ کیا ان میں بھی کوئی سمجھ اور بوجھ ہے؟ اس پر اس نے جواب دیا۔ کچھ تم کو بھی سنائی پڑتا ہے کہ تم اپنے منہ سے کیا بات نکال رہے ہو۔ اس پر باپ نے اس کو پکڑ کر نمرود کے حوالے کر دیا۔ نمرود نے اس سے کہا کہ ہم آگ کو پوجتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا پانی کو کیوں نہیں پوجتے جو آگ کو بجھاتا ہے۔ نمرود بولا اچھا پانی کو پوجیں گے۔ ابراہیم نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو بادل کو پوجو جو پانی لاتا ہے۔ نمرود بولا خیر بادل کو ہی۔ ابراہیم نے جواب دیا۔ تو بہتر ہے ہوا کو پوجو جو بادلوں کو اڑا لئے پھرتی ہے۔ نمرود نے کہا تو ہم ہوا کو پوجتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا آدمی کو کیوں نہ پوجو جو ہوا کا بھی مقابلہ کرتا ہے؟ نمرود کھسیانا ہوگیا اور بولا اگر تم مجھ سے یونہی تکرار کرتے ہو تو لے مَیں سوا آگ کے کسی کو نہیں پوجتا اور تجھ کو اسی کے اندر جھونکے دیتا ہوں۔ اور وہی خدا جس کو تو پوجتا ہے آئے اور تجھ کو بچالے۔ ابراہیم آگ کے بیچوں بیچ جا پڑا اور صحیح سلامت نکل آیا۔"

یہ روایت تورات کی حسب ذیل آیت کی تفسیر میں بیان کی گئی ہے:۔

"مَیں خدا وند ہوں جو تجھے کسدیوں کے اُور سے نکال لایا کہ تجھ کو یہ ملک میراث میں دوں۔"

(پیدائش ۱۵/۷)

علمائے بدرش یہاں اُور سے مراد آگ کا الاؤ لیتے ہیں۔ جس کی تائید میں وہ مذکورہ روایت لاتے ہیں۔

اعتراض کا جواب

مستشرقین معترض ہیں کہ قرآن حکیم نے اسی قسم کی اساطیر الیہود سے خوشہ چینی کی ہے۔ اگر ان واقعات میں کوئی تاریخی صداقت ہوتی تو تورات میں ان کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات میں خلیل اللہ کی ہجرت سے پہلے کے واقعات کا پورا باب حذف ہے یہی وجہ

ہے کہ یہود تحریری تورات کے علاوہ "زبانی تورات" کے قائل ہیں۔ بہت سے واقعات تورات میں نہیں آئے۔ احادیثِ یہود میں ملتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ احادیثِ یہود کا سارا مواد باطل ہے ہاں چھان پھٹک کی ضرورت ہے۔ جیسے تورات کی عمومی روایات میں غلط باتیں بھی شامل ہیں ویسے ہی اساطیر الیہود میں بھی ہیں۔ مذکورہ روایت پر ہی غور کریں۔ قرآن حکیم نے صحیح واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس روایت میں بہت سی رنگ آمیزی آپ کو ملے گی۔

صحیفہ جوبلی میں لکھا ہے کہ بُت کدہ کو حضرت ابراہیمؑ نے نذرِ آتش کر دیا۔ اس آگ میں آپ کا بھائی حاران جل کر مرگیا کیونکہ وہ بتوں کو آگ سے بچاتا تھا۔ قرآن حکیم اہل کتاب کے اختلافات میں حَکَم بن کر آیا۔ حقیقی واقعات بیان کرکے اشارہ کر دیا کہ باقی روایتیں باطل کی ملونی سے خالی نہیں ہیں۔ یہ قرآن حکیم کا کمال ہے کہ اس نے قبلِ ہجرت اور مابعد دونوں زمانوں کو پیش کیا ہے۔ تورات کا نقص ظاہر ہے کہ اس نے خلیل اللہ کی زندگی کے صرف ایک رُخ کو پیش کیا ہے۔

ہجرت

اِن واقعات کے بعد خلیل اللہ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپؑ اپنی قوم سے مُنہ موڑ کر راہِ خدا میں نکل کھڑے ہوئے۔ حاران سے آپ کنعان میں پہنچے۔ یوں خلیل اللہ کی زندگی کا دوسرا دُور شروع ہوا +

ترانۂ مومن

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے سفرِ یورپ کے موقعہ پر

جا رہے ہیں میرے آقا سفرِ یورپ کے لئے
آپ کے جانے سے پھیلے گی وہاں پر روشنی

میرے آقا سوتی قوموں کو جگائیں گے وہاں
چاند کی کرنوں سے پھیلے گی وہاں پر چاندنی

اہلِ یورپ کو خدا کی عظمتیں بتلائیں گے
اور انہیں قرآن کی سب حکمتیں سکھلائیں گے

میرے اللہ یہ سفر ہو ہر طرح سے کامیاب
اہلِ یورپ پر صداقت کا عیاں ہو آفتاب

میرے آقا کی مدد کرنا مرے ناصر خدا
ہر مصیبت سے بچانا اے مرے مشکلکشا

یہ ہے مومن کی دُعا پہنچیں بخیریت حضور
کامیاب و کامراں لوٹیں بخیریت حضور

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب رضی اللہ عنہ کی یاد میں!

(جناب مولوی محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری ربوہ سابق مبلغ افریقہ)

کر دیا گُل موت کی آندھی نے اِک روشن چراغ
چل بسے افسوس حضرت ڈاکٹر صاحب بھی آج

اِک حبابِ بحر ہے دنیا میں انساں کی حیات
توڑ دیتی ہے جسے یکدم کوئی مَوجِ فنا

موت کیا ہے اپنے محبوبِ حقیقی سے وصال
جس کا ہے انجام بالآخر حیاتِ لازوال

کُنتُ کَنزاً مَخفِیّاً میں ہے نہاں رازِ حیات
چل رہی ہے جس کے پردہ میں یہ ساری کائنات

آشنا ہو جو کوئی شیرینیٔ انجام سے
ڈر نہیں سکتا کبھی وہ موت کے ہنگام سے

زندگی میں ہو اگر شاملِ کمالِ زندگی
موت سے بجھتی نہیں شمعِ جمالِ زندگی

حشمت اللہ تھے صحابی مہدیٔ مسعودؑ کے
اور طبیبِ خاص بھی تھے مصلحِ موعودؓ کے

نیک طینت، نیک سیرت باوفا و باصفا
لاجرم تھا قابلِ تقلید اُسوہ آپ کا

رُخ پہ تھا ہر آن نورِ احمدی جلوہ فشاں
اب مسیحا کے بھلا ایسے صحابی پھر کہاں

خدمتِ خلقِ خدا تھا کام ان کا صبح و شام
بس اسی میں ہی وہ رہتے تھے ہمیشہ شادکام

ہو کے ہم سے یوں جُدا مقصود اپنا پا گئے
آپ مر کر ہم کو رازِ زندگی سمجھا گئے

جا ملے مولیٰ سے اپنے اس جہاں کو چھوڑ کر
اقرباء و خویش اور کون و مکاں کو چھوڑ کر

خندہ بر لب شادماں دل چل دیئے سوئے بہشت
جسمِ فانی چھوڑ کر اپنا برائے خاک و خشت

عہد جو باندھا مسیحِ پاکؑ سے پورا کیا
احمدیت پر سبھی کچھ اپنا قرباں کر دیا

دے انہیں مولیٰ وہاں فردوس میں عالی مقام
ساقیٔ کوثر پلاتے ہیں جہاں کوثر کے جام

آپ کی اولاد پر بھی رحمتوں کا ہو نزول
وہ بھی ہو جائیں تری درگاہِ عالی میں قبول

باپ کی مانند ہوں سب احمدیت پر نثار
اور رہے اولادِ احمدؑ سے انہیں بھی اُنس و پیار

حیف اب تو رہ گئے اصحابِ احمدؑ چند ہی
جا ملیں گے وہ بھی آخر کار مولیٰ سے سبھی

وقت ہے اب بھی کہ پا لیں فیض ان پیاروں سے ہم
ورنہ پچھتانا پڑے گا بعد میں با چشمِ نم

اساتذہ و طلبہ جامعہ احمدیہ کا تفریحی پہاڑی سفر

جامعہ احمدیہ ربوہ میں ایک باقاعدہ ہائیکنگ کلب قائم ہے جس کے تحت ہر سال چند طلباء اساتذہ کرام کی ہمراہی میں پاکستان کے دلکش پہاڑی علاقوں کی ہائیکنگ (پیدل تفریحی سفر) کے لیے جاتے ہیں۔ امسال یہ سفر وادیٔ کاغان میں کیا گیا۔ اساتذہ میں سے مکرم میر محمود احمد صاحب ناصر (نگران ہائیکنگ) اور مکرم قریشی نور الحق صاحب تنویر پارٹی میں شامل تھے۔ طلبہ کے نام یہ تھے: مرزا محمد شفیق، مرزا محمد اقبال، عبد الغفار خان، صدیق احمد ملک، رفیق احمد سعید، حیدر علی ظفر، عبد الحفیظ کھوکھر، منصور احمد عمر، فضل الٰہی، خلیل احمد مبشر، احمد خان، حلیم احمد اور خاکسار عطاء المجیب راشد (سیکرٹری ہائیکنگ)

پروگرام کے مطابق ۱۱ جولائی کی شام کو دعا کے بعد ربوہ سے یہ پارٹی بذریعہ چناب ایکسپریس راولپنڈی کیلئے روانہ ہوئی۔ اگلے روز ایک مخلص دوست کے پُرخلوص تعاون کی وجہ سے نئے دارالحکومت اسلام آباد کی سیر کرنے کا موقع ملا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ ۸ جولائی کی صبح کو راولپنڈی سے بذریعہ بس روانہ ہو کر **بالاکوٹ** پہنچے۔ یہ ایک تاریخی شہر ہے اس شہر میں حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور حضرت سید اسماعیل شہیدؒ کے مزاروں پر دعا کی۔ اگلے روز بذریعہ جیپ وادیٔ کاغان کے اہم مقام **ناران** پہنچے۔ یہ آبادی خوبصورت ماحول میں ہے۔ یہاں سے ۴½ میل کے فاصلہ پر **جھیل سیف الملوک** دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ ایک خوبصورت جھیل ہے۔ اس کے چاروں طرف بلند پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ ناران میں دو دن قیام کے بعد ہم پیدل **بٹاکنڈی** کے لئے روانہ ہوئے جو ۱۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کے قریب **لالہ زار** کا مقام بہت مشہور ہے۔ سبزے کا یہ وسیع علاقہ بھی اچھا منظر پیش کرتا ہے۔ اگلے روز واپس ناران آئے اور پھر وہاں سے بالاکوٹ کی طرف پیدل سفر کیا۔ اس راستہ میں **کاغان** اور **پارس** میں راتوں کو قیام کیا۔ پھر پارس سے **شوگران** گئے جو پونے آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر بہت ہی دلفریب مقام ہے۔ ہماری ہائیکنگ میں یہ مقام سب سے خوبصورت تھا۔ اس جگہ پر دو تین روز قیام کے دوران ہماری پارٹی کے بعض افراد نے قریباً بارہ تیرہ ہزار فٹ بلند **ماکڑا** کی چوٹی سر کی۔ یہ بڑا دلچسپ سفر تھا۔ ۱۸ جولائی کو شوگران سے بالاکوٹ پہنچے۔ وہاں سے مظفرآباد (آزاد کشمیر) بس پر گئے۔ ایک روز قیام کے بعد مری سے ہوتے ہوئے **پارٹی** خیریت سے ۲۰ جولائی کی شام کو راولپنڈی پہنچ گئی۔

اس سارے سفر کے دوران باری باری سب اساتذہ اور طلبہ نے خود کھانا تیار کیا اور بستر کے علاوہ اپنا مختصر سامان اپنی کمر پر اٹھا کر سفر کیا۔ نو دس روز کے سفر میں قریباً ۸۰ **میل پیدل** سفر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سفر بہت دلچسپ، تجرباتی اور مفید رہا۔

(عطاء المجیب راشد سیکرٹری ہائیکنگ کلب، جامعہ احمدیہ ربوہ)

کاروانِ حیات

جناب نسیم سیفی

جہاں جہاں سے دلِ داغدار گزریگا
وہیں وہیں سے جلوسِ بہار گزریگا

سکوں ملے کہ بڑھے درد، کچھ بھی ہو لیکن
تری گلی سے ترا جاں نثار گزریگا

ٹھہر گیا ہوں سرِ رہ کہ لوگ کہتے ہیں
یہاں سے حُسن کا اِک شہسوار گزریگا

شبِ فراق ہی ضامن نہیں غمِ دل کی
کٹے گی رات تو دن بے قرار گزریگا

ہمارے دل کی امیدیں بر آئیں گی جس دن
کسی کی طبع پہ یہ ناگوار گزریگا

گزر رہا ہے بصد شان کاروانِ حیات
خدا کے فضل سے یہ کامگار گزریگا

اسی کے حُسن کی سوگند، دیکھ لونگا مَیں
اگرچہ پردۂ دل میں وہ پردہ دار گزریگا

ہر ایک تارِ نظر ہے نسیمؔ، تیرِ نظر
نظر سے ہو کے مرے دل کے پار گزریگا

سامانِ عبرت

(جناب چودھری شبیر احمد صاحب بی۔اے)

اِس زمانہ کے تمام نہاد علماء نے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ متین کی ہر شق کو دنیا کے سامنے ایک بھیانک شکل میں پیش کرنا اور فرقہ وارانہ فسادات کے بیج بونا اپنا فرض سمجھ رکھا ہے جن میں سے ایک لائل پور کے ہفت روزہ المنبر کے ایڈیٹر مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف ہیں۔

چودھویں صدی کے ان علماء کی اس "خدمتِ اسلام" کے پیچھے جو جذبہ کارفرما ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ زمانۂ حال کے متعدد اکابر جنہیں وہ خود بھی قابلِ احترام مانتے ہیں کہہ چکے ہیں۔ ؏

"دینِ ملاّ فی سبیل اللہ فساد"

نیز مسلمانوں کی اکثریت بھی ان کے اِس قابلِ نفرین جذبہ سے باخبر ہو چکی ہے اس لئے عاجز ازراہِ ہمدردی جناب مولوی صاحب موصوف کو توجہ دلانا چاہتا ہے کہ وہ اس دل آزاری اور فساد فی الارض کے طریق کی بجائے کوئی اَور مفید کام کریں۔

یاد رکھیئے کہ ہم سب پر احکم الحاکمین خدا کی نظر ہے جس سے ہمارے دلوں کے مخفی ارادے اور چھپی ہوئی نیتیں بھی پوشیدہ نہیں۔ اس کی صفتِ قہاریت سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اُس کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ ؏

اچھا نہیں ستانا، پاکوں کا دل دُکھانا

دُور کیوں جائیں جناب اشرف صاحب اپنے اُن اکابر کی آخری نصائح پر ہی غور فرمائیں جو اس قسم کی "خدمتِ اسلام" ساری عمر بجالاتے رہے ہیں۔ وہ تجربہ کار رہبرانِ قوم اپنی زندگی کے آخری ایام میں جس نتیجہ پر پہنچے اس میں آپ کے لئے کافی سامانِ عبرت موجود ہے بطور نمونہ جناب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ایک حسرتناک گفتگو پڑھیں جو اُن کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ کہلا سکتی ہے۔

۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کے روزنامہ امروز میں زیرِ عنوان "امیرِ شریعت کی زبانی" سٹاف رپورٹر سے "شاہ جی" کا حسبِ ذیل مکالمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"شاہ جی آپ کو ذیابیطس کی شکایت کب سے ہے؟"

جواب دیا "یہ مرض جیل میں

میرے ساتھ آ لگا تھا ابھی تک
سنگت نبھا رہا ہے۔"

"ان دنوں جبکہ آپ اس قدر
بیمار ہیں اور پبلک لائف سے بھی
ریٹائر ہو چکے ہیں۔ کبھی دیرینہ رفقاء
میں سے کوئی ملنے آیا ہے؟"

جواب میں مسکرا دیئے۔ کہا:-

"بیٹا جب تک یہ کُتیا
(زبان) بھونکتی تھی سارا
برصغیر ہند و پاک ارادتمند
تھا۔ اس نے بھونکنا چھوڑ دیا
ہے تو کسی کو پتہ ہی نہیں رہا کہ
مَیں کہاں ہوں۔"

(امروز ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۱ء)

ع ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے
اگر سوچو یہی دار الجزاء ہے

جب "شاہ جی" کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے حسرتناک انداز میں اپنی اُسی زبان کو "کُتیا" (زبان) کہنا پڑا جس سے وہ احمدیت کے خلاف عمر بھر تقریریں کرتے رہے تو کوئی تعجب نہیں کہ المنبر کے رئیس التحریر بھی آخر اپنے قلم کو کوئی ایسا ہی خطاب عطا کرنے پر مجبور ہو جائیں اور پھر آپ کے معتقدین میں سے کوئی اسے ایک شاہکار سمجھتے ہوئے اخبارات کے ذریعہ عوام الناس تک بھی پہنچا دے۔ ہم آپ کو آپ کی اپنی ہی ایک قیمتی نصیحت یاد کرانا چاہتے ہیں جو آپ نے اپنے ہمعصروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی۔ المنبر کے شمارہ نمبر ۳۰ جلد ۷ میں زیر عنوان "ربوہ کی سیر" ایک بغلی سرخی "حرف آخر" کے تحت فرمائی تھی۔ الفاظ یہ ہیں کہ:-

"خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کام
کا جواب نعروں سے؟ مسلسل
جد و جہد کا توڑ اشتعال انگیزی
سے، علمی سطح پر مساعی کو ناکام
بنانے کا داعیہ صرف پھبتیوں،
بیہودہ جلوسوں اور ناکارہ ہنگاموں
سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے
جب تک وہ انداز اختیار نہ
کیا جائے جس سے فکری اور
عملی تقاضے پورے ہوں۔
ہنگامہ خیزی کا نتیجہ وہی برآمد ہوگا
جس پر مرزا صاحب کا الہام
اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ
اِھَانَتَکَ
صادق آئے گا۔"

(المنبر ۱۰ اگست ۱۹۶۲ء)

فاعتبروا یا اولی الابصار ◆

ایک اقتباس

"آسمانی اور زمینی عذابوں کا تسلسل"

(یہ مضمون ہم المنبر لائلپور ۴ر اگست ۶۷ء سے عنوان سمیت حرف بحرف نقل کر رہے ہیں ——— ادارہ)

ابھی اسلامیانِ عالم، عرب ممالک کی شکست کے المیہ پر ہی خون کے آنسو بہا رہے تھے کہ ترکی کے مسلمانوں پر زلزلے کی صورت میں قیامت بپا ہوگئی، اور پہلے ہی روز ایک ہزار انسان موت کا لقمہ بن گئے۔ ہزاروں مکانات پیوندِ زمین ہوگئے اور ایک شہر نیز متعدد قصبات اور دیہات صد فی صد تباہ ہوگئے۔

ترکی پچھلے سال بھی خوفناک زلزلے کا شکار ہؤا تھا اور اس وقت دس ہزار افراد ہلاک ہوگئے تھے۔

مسلم ممالک پر یوں قیامت ٹوٹ رہی ہے اور غیر مسلم ممالک کوریا اور ویت نام کی صورت میں لامتناہی عذاب میں مبتلا کئے جا چکے ہیں۔ یہ تو آج کا حال ہے کل کیا ہوگا؟ اس سوال کا حتمی جواب تو کسی کے پاس نہیں، البتہ ——— اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ زمینی اور آسمانی حوادث جنگ اور شکست، وبائیں اور طوفان، ان سب کا فیصلہ زمین پر نہیں آسمان پر ہوتا ہے اور یہ عقیدہ بھی اگر مان لیا جائے کہ جس رؤف و رحیم مالک نے اس کائنات کو بنایا ہی نہیں مزین و آراستہ بھی کیا اور جس خدائے ذوالجلال نے انسان کو اس کائنات کا گل سرسبد بنایا ہے ——— وہ خدا ان انسانوں کو یوں ہلاک و برباد کر کے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ظلم و تعدی روا رکھتا ہے ——— تو ہمیں باور کرنا چاہیئے کہ انسانوں کے اعمالِ بد اب اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ ان کا مالک و آقا ان پر ناراض ہوگیا ہے اور اب وہ انتباہ پر انتباہ کر رہا ہے کہ اگر خوفناک اور ہر چھوٹے بڑے کو ہلاک کر دینے والی تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو **اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کر لو** ——— ورنہ تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو تم سے پہلے ماضی بعید میں عاد، ثمود، قومِ فرعون، قومِ لوطؑ، قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ ——— اور ماضی قریب میں ان اقوام کا ہؤا جن کے شہر تمہاری آنکھوں کے سامنے کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں، اور آثارِ قدیمہ کے بہانے تم ہی سے ان شہروں کی تابناک ماضی کی داستانیں تمہیں ہی سنائی جا رہی ہیں۔ قرآن کی اس پکار کو سنو، اس سے خود فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو اس سے آگاہ کرو۔

اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميراً (الآیہ)

ہم جب کسی ملک یا شہر کو تہس نہس کرتے ہیں تو یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہاں کے ذمہ دار اور اصحابِ اثر و ثروت فاسقانہ زندگی کو معمول بنا لیتے ہیں۔ ان کے ایسا کرنے پر نوشتۂ حق ان پر صادق آتا ہے اور ہم اس آبادی کو عذاب کی چکی میں پیس ڈالتے ہیں۔"

سورۂ نساء ع

البَیَانُ

قرآن مجید کا سلیس اُردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کیساتھ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی

اے ایمان دارو! نماز کے قریب ایسی حالت میں مت جاؤ جب تم پر مدہوشی کا عالم ہو (نشہ یا غصہ یا نیند کا غلبہ)

حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ

یہاں تک کہ تم جاننے لگو کہ کیا کہہ رہے ہو ایسا ہی جنبی ہونے کی حالت میں غسل سے قبل نماز نہ پڑھو بجز اس کے کہ

حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ

تم راستہ میں گزر رہے ہو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا

جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

تم میں سے کوئی (قضائے حاجت سے فارغ ہونیکے بعد) جنگل سے آیا ہو یا تم نے بیویوں کو چھوا ہو

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا

اور پھر تم پانی نہ پاؤ تو اس حالت میں تم پاک مٹی سے تیمم کرو اور اپنے

تفسیری حواشی

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارہ میں چند احکام دیئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل حالتِ سکر میں نماز نہ پڑھی جائے۔ سکر کے لغوی معنے بند کرنے کے ہیں۔ جب انسان کی عقلی اور دماغی قوتیں کام نہ کر رہی ہوں تو وہ حالتِ سکر کہلاتی ہے۔ شراب خوری کی وجہ سے بھی یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے انتہائی غضب کی صورت میں بھی انسان

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○

چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ

کیا تونے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصّہ دیا گیا وہ گمراہی کو خرید

الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ○ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہِ حق سے بھٹک جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے

بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ○

دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ (تمہارے لئے) دوست اور مددگار ہونے کے لحاظ سے کافی ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ

ان میں سے جو یہودی ہوگئے کچھ لوگ کلامِ الٰہی کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں اور

يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ

مُنہ سے کہتے ہیں کہ ہم نے بات سُن لی لیکن عملاً نافرمانی کی۔ تو سُن مگر تجھے سُنایا نہ جائے

بے قابو ہو جاتا ہے اور غلبۂ نیند کے وقت بھی انسان پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ اِن ساری صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ جملہ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ سے ظاہر ہے کہ نماز سوچ سمجھ کے ساتھ پڑھنی چاہیئے اور انسان کو پتہ ہونا چاہیئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ ہر نمازی کو نماز کا ترجمہ بھی ضرور آنا چاہیئے۔ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ آیت حالتِ نشہ میں نماز کے قریب جانے سے روکتی ہے اور جب شراب کی حرمت نازل ہوگئی تو یہ آیت منسوخ قرار پاگئی مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ لفظ سُکَارٰی جو سَکْرَانُ کی جمع ہے اس میں نشہ کے علاوہ اور حالتیں بھی شامل ہیں نیز اس کے منسوخ قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اب یہ جائز ہے کہ مخمور ہونے کی حالت میں بھی نماز پڑھ لی جائے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ حدیث میں آیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ

وہ لوگ راعنا کا لفظ (کہ تو ہماری رعایت رکھ) زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین کے بارہ میں طعنہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں

أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا

کاش کہ یہ لوگ یوں کہتے کہ ہم نے سنا　اور اطاعت کی۔ اور تو اے نبی! ہماری گزارشات کو سن اور نظر کرم فرما

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

تو یہ بات ان کے لئے بہت بہتر　اور پائیدار ہوتی۔　لیکن　اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ○ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ

باعث ان پر لعنت کی ہے　اب وہ نہایت قلیل ایمان لا رہے ہیں　اے وے لوگو جنہیں

أُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

کتاب دی گئی تھی　تم اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو ہم نے اب نازل کی ہے ایسی حالت میں کہ وہ تمہاری کتب کی

(پیشگوئیوں اور تعلیمات کی مصدق ہے)

مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى أَدْبَارِهَا

پیشتر اس کے کہ ہم چہروں (سرداروں) کو بے نور کر دیں　اور انہیں پیٹھوں کے بل پھیر دیں

کہ جب کسی پر نیند کا غلبہ ہو تو وہ پہلے سو جائے اور پھر اُٹھ کر نماز پڑھ لے کیونکہ ایسی مدہوشی کے عالم میں انسان کو کیا معلوم ہے کہ وہ دعا کر رہا ہے یا گالی دے رہا ہے۔ دوم:- اس آیت میں دوسرا مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ جنبی کے لئے غسل سے پہلے نماز جائز نہیں یعنی اسے نماز سے پہلے پہلے ضرور غسل کر لینا چاہیئے۔ ہاں اگر وہ لوگ جن پر غسل واجب ہے یا جن کو نیا وضو کرنا چاہیئے بیمار ہوں یا مسافر ہوں اور انہیں پانی میسر نہ ہو جس کی دو صورتیں ہیں (۱) سرے سے پانی ہی نہ مل سکے (۲) پانی تو موجود ہو لیکن بوجہ بیماری اسے استعمال نہ کیا جا سکتا ہو۔ ان دونوں صورتوں میں پانی غیر موجود سمجھا جائے گا اور وضو اور غسل کی صورت میں تیمم کافی ہوگا۔ سوم:- تیسرا مسئلہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ تیمم پاک مٹی کے ساتھ اور چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ تیمم کا مسنون طریق یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ مٹی پر مارے جائیں پھر انہیں

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

یا ہم ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے اہل سبت یہودیوں پر لعنت کی۔ اللہ تعالیٰ کا امر

مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ

نافذ ہو کر رہتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ یہ گناہ معاف نہیں کرتا کہ کسی کو اسکا شریک ٹھہرایا جائے اس سے ورلے ورلے

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى

وہ ہر گناہ، جس کیلئے وہ چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اس نے بہت

اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ

بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا تو نے ان لوگوں کے حالات کا مطالعہ نہیں کیا جو خود بخود اپنے آپکو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ

حالانکہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہے گا پاک ٹھہرائے گا لوگوں پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ غور کریں

ع۷ ۴ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

یہ لوگ کس طرح اللہ پر جھوٹ بنا رہے ہیں۔ اور ان کا یہ فعل کھلا گناہ ہونے میں کافی ہے۔

چہرہ پر مل لیا جائے اور دوبارہ پھر ہاتھ لے جائیں اور ہاتھوں پر کلائیوں تک پھیر لیا جائے۔ بعض علماء کے نزدیک ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہی کافی ہے۔

دوسری تیسری اور چوتھی آیت میں یہود کے اس طریق کو بیان کیا گیا ہے جو وہ مومنوں کو راہِ حق سے بہکانے کی خاطر اختیار کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں میں بے ادبی کے طریق کو جاری کرنے کے لئے زبان کو موڑ کر راعِنا کے لفظ کو بگاڑ کر ایسے طریق سے ادا کرتے تھے جس کے معنے بے وقوف اور احمق کے بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شرارت سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا ہے۔

پانچویں آیت میں یہود کو قرآن کریم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور اس بات سے ڈرایا گیا ہے کہ ورنہ ان کا انجام پرانے اہل سبت کی طرح عبرتناک ہوگا۔ ان کی قومی عزت جاتی رہے گی۔ وہ قوموں کے درمیان حقارت سے یاد کئے جائیں گے + (باقی - باقی)

ایک تحقیقی مقالہ

قتلِ مرتد اور قرآن

مشہور مفکرِ اسلام جناب مولانا محمد علی صاحب جوہر کے قلم سے

قتل بربنائے ارتداد کے مسئلہ میں ہم قرآن پاک اور احادیث پر غور کرنے اور متعدد اکابر علماء سے گفتگو اور بحث و مباحثہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قتلِ مرتد کا ذکر تو احادیث میں موجود ہے مگر یہ حکم ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری قومی، ملکی، سیاسی و حربی ضروریات و مقتضیات اس قتل کی وجہ ہیں۔

اس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں قرآن پاک کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ قرآن حکیم میں قتلِ مرتد کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں قتل و قتال کی اجازت صرف دو صورتوں میں دی گئی ہے۔ ایک تو فساد فی الارض کی صورت میں اور دوسرے نفس کے بدلہ اور قصاص کی صورت میں۔

اسلام درحقیقت امن و صلح کا ایک عالمگیر پیغام ہے اُس نے ضمیر کی کامل آزادی انسان کو عطا فرمائی ہے۔ رشد و ہدایت اور گمراہی و ضلالت کے دو صاف راستے بتلا دیئے ہیں جن میں شک کی کوئی گنجائش نہیں اس کے بعد انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ جو چاہے راستہ اختیار کرے۔ مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکہف: ۳۰)

دین کے بارے میں سب سے پہلا محکم اور استوار اصول لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ: ۲۵۷) کا بیان کر دیا گیا ہے کہ دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ: ۲۵۷) یعنی ہدایت گمراہی و ضلالت سے علیحدہ کر دی گئی ہے۔ یہ ایک کھلا ہوا حکم ہے اور اس آیت کی تفسیر ابن کثیر نے ان الفاظ میں کی ہے:-

ای لا تکرھوا احداً علی الدخول فی دین الاسلام۔ یعنی کسی کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے مجبور نہ کرو۔

جب جبر کے ذریعہ سے مسلمان بنایا نہیں جا سکتا تو مسلمان رکھنے کے لئے جبر کا حکم کیونکر دیا جا سکتا ہے؟

ایک طرف تو لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ: ۲۵۷) کا اصولی محکم موجود ہے اور دوسری طرف قتلِ مرتد کا کوئی ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ ایسی آیتیں ہیں جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ ارتداد کی سزا دنیا میں کوئی نہیں بلکہ آخرت میں اس کی سخت سزا قرار دی گئی ہے اور حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فرمایا گیا ہے (البقرہ: ۲۱۸) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے قتلِ انسان کی صرف

دوہی صورتیں قرآن نے جائز قرار دی ہیں۔ ایک قصاص کی صورت میں اور دوسرے فساد فی الارض کی صورت میں۔ خدا نے دو جگہ فتنہ کو قتل سے بھی زیادہ شدید و کبیر بتلایا ہے یعنی اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۱۹۲) اور اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۲۱۸) اور قتال کی اسی وقت تک اجازت ہے کہ جب تک کہ فتنہ فرو نہ ہو جائے اور دین خالص اللہ کیلئے ہو جائے یعنی جبر و اکراہ باقی نہ رہے اور زور و دباؤ سے دین نہ اٹھ جائے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال: ۴۰) یعنی اس وقت تک قتال کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ اور خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے راستہ پر ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرو کیونکہ زیادتی کرنیوالوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (البقرہ: ۱۹۱)

سب سے پہلے جب قتال کی اجازت دی گئی تو وہ بھی اسی وجہ سے کہ جب مسلمانوں کو ظلم و ستم کا بلا وجہ نشانہ بنایا گیا اور ان کو اپنے وطن اور دیار سے بلا وجہ نکالا گیا اور مسلمانوں کی یہ جلا وطنی صرف اسلئے عمل میں آئی کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ:-

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ
ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ
لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ
(الحج: ۴۰-۴۱)

یعنی صرف اس جرم پر مسلمانوں کو گھر بار سے نکالا گیا کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔ اس زیادتی کو دور کرنے اور آزادی ضمیر کے حق کو قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو بھی قتال کی اجازت دی گئی تا کہ دنیا سے یہ فتنہ جو قتل سے بھی زیادہ شدید و کبیر ہے دور ہو کہ دین کے معاملہ میں جبر و زیادتی روا رکھی جائے جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ روا رکھی گئی اور صرف اللہ کو پروردگار کہنے کے جرم میں ان کو دیس سے نکال دیا گیا۔ اس ضلالت و گمراہی کے دور کرنے کے لئے اور دین کے معاملہ میں ہر قسم کے دباؤ اور جبر کو ہٹا دینے اور صرف اللہ کے لئے دین کو خالص بنا دینے اور بندوں کے زور و تحکم سے دین کو آزادی دلانے کے لئے خدا نے مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی تا کہ لَآ اِكْرَاهَ کا اصول قائم ہو جائے۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ اسی چیز کو اختیار کرنے کی مسلمانوں کو اجازت دی جاتی جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ان کو قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک طرف کفار کا یہ فعل کہ وہ اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اس حد تک ناقابل برداشت بتلایا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے قتال کی اجازت دی جاتی ہے اور دوسری طرف اسی فعل کے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو ہدایت دی جاتی یہ تو بالکل متضاد تھا۔ اصل یہ ہے کہ جس طرح مسلمان بنانے میں کوئی اکراہ جائز نہیں اسی طرح مسلمان رکھنے پر بھی اکراہ نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ جب ایک عام اصول بیان کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ تو اس کے بعد اس کی ضرورت ہی نہیں باقی رہتی کہ قتلِ مرتد کی بھی صراحتاً نفی کی جائے اسلئے کہ اس کی نفی تو لا اکراہ کے اصول کا اعلان کرتے ہی خود بخود ہو گئی۔

پھر صرف ایک ہی جگہ اس اصول کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ بار بار مختلف پیرایۂ بیان میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے مثلاً قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف: ۳۰) اے پیغمبر! کہدو کہ حق تو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔ یعنی خدا نے تو حق بیان فرما دیا اب لوگوں کو اختیار ہے کہ اسے مانیں یا نہ مانیں کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (یونس: ۱۰۰) اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو وہ تمام لوگ جو زمین میں بستے ہیں ایمان لے آتے تو کیا تم سب کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں؟ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ خدائے بزرگ و برتر جبر کو پسند نہیں فرماتا اور بندوں کو خود اختیار دیا ہے کہ وہ کفر و ایمان اور ضلالت و ہدایت میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں ورنہ اگر وہ جبر کو پسند کرتا تو سرے سے انسان کو پیدا ہی ایسا کرتا کہ کفر میں مبتلا ہونا اس کے امکان سے باہر ہوتا۔

جب بندوں کی ضلالت و گمراہی سے رسول اللہ بہت زیادہ کڑھنے اور دکھ محسوس فرمانے لگے تو خدا نے جا بجا یہ کہکر آپ کی تسکین فرمائی کہ آپ تو صرف رسول ہیں اور پیغامِ الٰہی کا پہنچا دینا آپ کا فرض ہے اور بس۔ مثلاً مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (المائدہ: ۱۰۰)

مرتدین کا ذکر کلامِ پاک میں متعدد جگہ آیا ہے اور قرآن کی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے بلکہ بعض نے تو یہ وطیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ کچھ دنوں کیلئے ایمان لاتے پھر کافر ہو جاتے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اصلی مسلمانوں کو بھی گمراہ کر دیں چنانچہ ارشاد ہے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران: ۷۳) اہل کتاب کی ایک جماعت کہتی ہے کہ دن کے ایک حصہ میں اس چیز پر ایمان لے آؤ جو مومنوں پر نازل ہوئی ہے (قرآن پر) اور اس کے آخری حصہ میں اس سے انکار کر دو تاکہ وہ بھی (یعنی مسلمان) لوٹ آئیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی شرارتیں کی جایا کرتی تھیں مگر اس کے باوجود ان کے قتل کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی جگہ مرتدین کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النحل: ۱۰۷) جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر میں مبتلا ہوتا ہے سوائے اس شخص کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ ایسا شخص جس کا کفر پر شرحِ صدر ہو جاتا

ہے ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور (ان کے لئے) بڑا سخت عذاب۔

اس آیت میں بھی قتل مرتد کا کوئی ذکر نہیں بلکہ عذاب آخرت کی صورت میں سزا مقرر کی گئی۔

ایک اور آیت ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۱۳۸) جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ انکی مغفرت نہیں کرے گا اور نہ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت کرے گا۔

اس آیت میں اسلام کے بعد کفر اور کفر کے بعد اسلام اور پھر کفر کا ذکر ہے۔ یعنی دو مرتبہ اسلام لانے کے درمیان میں بحالت کفر زندگی کا ثبوت موجود ہے جو **سزائے قتل کے خلاف ایک بیّن دلیل** ہے۔ اگر ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو بار بار ایمان لانا اور پھر بار بار مرتد ہونے کی نوبت ہی نہیں آسکتی تھی بلکہ پہلے ہی دفعہ کے ارتداد پر زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔

ایک جگہ اور ارتداد کا ذکر ہے مگر سزائے قتل کا کوئی ذکر نہیں۔ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (آل عمران: ۸۷-۸۸)

اللہ اس قوم کو کس طرح ہدایت کرے جس نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا۔ اور جو لوگ گواہی دیتے تھے کہ رسول حق ہے اور ان پر واضح دلائل آگئے۔ اللہ ظالم قوموں کی ہدایت نہیں کرتا۔ اور ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

اس آیت میں صاف صاف اہل ردہ و کفر کی سزا بیان کر دی گئی ہے مگر قتل کی سزا کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسلام **محض ارتداد کی بناء پر کوئی سزا دنیا میں تجویز نہیں کرتا**۔ کیونکہ اس کا اولین محکم اصول لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ہے۔

ان تمام آیات پر غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کی رُو سے ارتداد **محض** کی کوئی سزا اس دنیا میں اسلامی حکومت کی طرف سے نہیں ہے۔

(روزنامہ "ہمدرد" دہلی ۱۹ر فروری ۱۹۲۵ء)

تفہیماتِ ربانیہ احمدیت پر اعتراضات کے مسکت جوابات کا لاجواب مجموعہ
صرف چند نسخے باقی ہیں
قیمت عمدہ کاغذ گیارہ روپے مکتبہ الفرقان ربوہ سے طلب فرمائیں

تبصرہ

الفرقان "خلافت نمبر"

مکرم و محترم مولانا ابوالعطاء صاحب کی زیر ادارت شائع ہونے والا الفرقان سلسلہ عالیہ احمدیہ کے رسائل و جرائد میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "الفرقان جیسا علمی رسالہ ایک لاکھ تک چھپنا چاہیئے"۔

ہر شمارے کے مضامین نہ صرف معیاری بلکہ افادیت کے لحاظ سے نہایت ہی ضروری ہوتے ہیں۔ اور پھر جب مکرم و محترم مولانا صاحب الفرقان کا کوئی خاص نمبر شائع کریں تو اس کے متعلق بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ متعلقہ موضوع کے سلسلہ میں تقریباً ہر ضروری بات اس میں شامل ہوتی ہے۔

الفرقان کے خلافت نمبر میں خلافت کا بابرکت نظام، خلافت کا مقام، خلافت کی اہمیت، خلافت کا انعام اور ہماری ذمہ داریاں، انجمن کی جانشینی کا مفہوم اور ایسے ہی متعدد دیگر مضامین قارئین کی نہ صرف دلچسپی کا باعث ہوں گے بلکہ ازدیادِ علم کا بھی۔

خلافت نمبر کی قیمت چوراسی پیسے ہے اور پرچے کی سالانہ قیمت چھ روپے۔

پرچہ مینجر الفرقان ربوہ سے طلب فرمائیں۔

(ن - س)

(ماہنامہ تحریک جدید ربوہ۔ جولائی ۱۹۶۷ء)

القول المبین

فی

تفسیر خاتم النبیین

(از قلم ابوالعطاء جالندھری)

جناب مودودی صاحب نے ایک رسالہ ختم نبوت کے نام سے شائع کیا ہے۔ القول المبین میں مودودی صاحب کے رسالہ کا مفصل اور مکمل جواب دیا گیا ہے۔ بہت سے غیر احمدی اصحاب نے مودودی صاحب سے القول المبین کا جواب لکھنے کی درخواست کی مگر مودودی صاحب کو اس کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس رسالہ میں ختم نبوت کی جامع تشریح کی گئی ہے صفحات ۲۵۰ مجلد قیمت دو روپے علاوہ محصولڈاک۔

مباحثہ مصر

یہ مباحثہ قاہرہ میں جماعت احمدیہ کے مبلغ اور تین بڑے پادریوں کے درمیان ہوا تھا جس میں عیسائیت کے بنیادی مسائل پر فریقین میں گفتگو ہوئی۔ یہ ساری گفتگو بائیبل کے رُو سے ہوئی ہے۔ یہ کتابچہ بھی اپنی نوعیت میں جامع رسالہ ہے۔ اس میں عیسائیوں پر اتمام حجت کی گئی ہے۔ اس رسالہ کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

مباحثہ مصر (اردو) ۶۲ پیسے

مباحثہ مصر (انگریزی) ۱-۲۵

علاوہ محصولڈاک

ملنے کا پتہ: مکتبہ الفرقان۔ ربوہ

اَلفِردَوس

انارکلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دُکان ہے

اَلفِردَوس

۸۵۔ انارکلی۔ لاہور

رَشید آئل کُکرز

بلحاظ

خوبصورتی، مضبوطی، تیل کی بچت

اور

افراطِ حرارت

دنیا بھر میں

بہترین ہیں

اپنے شہر کے ڈیلر سے

طلب فرمائیں!

رشید اینڈ برادرز

ٹرنک بازار سیالکوٹ

عمارتی لکڑی

ہمارے ہاں

عمارتی لکڑی۔ دیار، کیل، پڑتل، چیل

کافی تعداد میں موجود ہے

ضرورت مند اصحاب

ہمیں خدمت کا موقع دیکر مشکور فرمائیں

● گلوب ٹمبر کارپوریشن

۲۵ نیو ٹمبر مارکیٹ لاہور۔ فون ۶۲۶۱۸

★ سٹار ٹمبر سٹور

۹۰ فیروز پور روڈ۔ لاہور

● لائل پور ٹمبر سٹور

راجباہ روڈ لائلپور۔ فون ۳۸۰۸

ماہنامہ تحریک جدید ربوہ

"اسلام کی روز افزوں ترقی کا آئینہ دار"

آپ خود بھی یہ ماہنامہ پڑھیں۔ اور غیر از جماعت دوستوں کو بھی پڑھائیں!

سالانہ چندہ ۔ صرف دو روپے

——مینجنگ ایڈیٹر

موتیارو ک

● موتیاروک موتیا بند کا بلا اپریشن علاج ہے!

● موتیاروک دھند، جالا، پھولا، ککروں کے لئے بھی بے حد مفید ہے!

● موتیاروک بینائی کو تیز کرتا ہے! اور چشمہ کی ضرورت نہیں رکھتا۔

● موتیاروک آنکھ کی ہر مرض کیلئے مفید تر ہے!

بیت الحکمت لوہاری منڈی لاہور

مفید اور مؤثر دوائیں

نورِ کاجل

ربوہ کا مشہورِ عالم تحفہ

آنکھوں کی خوبصورتی اور صحت کے لئے بہترین تحفہ!
خارش، پانی بہنا، ککرے، ناخنہ، ضعفِ بصارت
وغیرہ امراضِ چشم کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ متعدد
جڑی بوٹیوں کا سیاہ رنگ جوہر ہے جو عرصہ
ساٹھ سال سے استعمال میں ہے۔
خشک و تر فی شیشی۔ سوا روپیہ

تریاقِ اٹھرا

اٹھرا کے علاج کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ
کی بہترین تجویز، جو نہایت عمدہ اور اعلیٰ اجزاء کے
ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔!
اٹھرا بچوں کا مردہ پیدا ہونا یا پیدا ہونے کے بعد
جلد فوت ہو جانا یا چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا یا لاغر
ہونا ان تمام امراض کا بہترین علاج۔!
قیمت۔ پندرہ روپے

نورِ منجن

دانتوں کی صفائی صحت کیلئے از حد ضروری
ہے۔ یہ منجن دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی
حفاظت اور علاج کے لئے بہت مفید ہے۔
قیمت۔ ایک روپیہ

نورِ نظر

اولادِ نرینہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ
کی بہترین تجویز، جس کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کے
فضل سے لڑکا ہی پیدا ہوتا ہے۔
مکمل کورس۔ پچیس روپے

خورشید یونانی دواخانہ رجسٹرڈ۔ گولبازار ربوہ

(طابع و ناشر:- ابو العطاء جالندھری۔ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

اساتذہ و طلباء جامعہ احمدیہ ربوہ کا تفریحی سفر

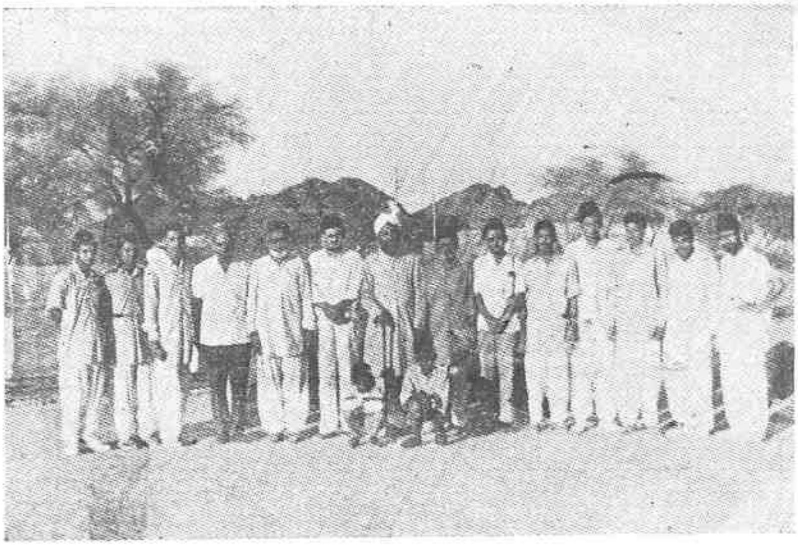

یہ تصویر ربوہ سٹیشن پر روانگی سے قبل لی گئی تھی۔ اس میں ہائیکنگ پارٹی کے ممبران کے علاوہ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، محترم سید داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ، محترم مسعود احمد خان صاحب دھلوی نائب ایڈیٹر الفضل اور مولوی غلام احمد صاحب ارشد بھی شامل ہیں

یہ تصویر وادی کاغان میں بٹا کنڈی کے مقام پر لی گئی۔ پس منظر میں یوتھ ھوسٹل نظر آ رہا ہے جہاں پارٹی نے رات بسر کی۔ یہ تصویر اجتماعی دعا کے بعد روانگی سے قبل لی گئی تھی۔ اس میں سب ممبران سفر کے لباس میں دکھائی دے رہے ہیں۔

(ہائیکنگ کے بارہ میں کسیقدر تفصیلی نوٹ صفحہ ۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

ماہنامہ "الفرقان" اور احباب کا فرض

● حضرت امامِ جماعتِ احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کا ارشاد :-

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس۳۰ چالیس۴۰ ہزار بلکہ ایک لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔"　　(الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

● حضرت میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض و غایت کو پُورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے پس مخیر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مُسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے تا اس رسالہ کی غرض و غایت بصورت احسن پُوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پُوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منوّر کرے۔　　(خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۷/۵۹/۱۱)"

(الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۵۹ء)

رسالہ کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے!

مینجر الفرقان ربوہ

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا